اسلام کا معاشی نظام
اور
معاشی نظریات

مؤلفہ

مولانا سیّد محمد امین الحق طوروی

بسم الله الرحمن الرحيم

نام کتاب	اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات
مصنّف	مولانا سیّد محمد امین الحقؒ
طبع اوّل	فروری 1970ء
تعداد	ایک ہزار
مطبوعہ	وفاق پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر	شعبۂ تعلیم مطبوعات، محکمہ اوقاف مغربی پاکستان، لاہور
باہتمام	ادارہ فروغِ اسلام، 168۔انارکلی، لاہور

طبع دوم	مئی 2025ء
تعداد	200
تدوین نو	زکیہ طورو
مطبوعہ	قریشی گرافکس پشاور

رابطہ

۱۔ ڈاکٹر سید منہاج الحق

موبائل نمبر 0333-5057383

۲۔ سیّد انیس الحق

موبائل نمبر 0332-0603235

۳۔ ڈاکٹر سیّد راشد علی

موبائل نمبر 0300-9176294

عرضِ حال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

پیشِ نظر کتاب "اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات" کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن "شعبہء تعلیم و مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب" کی جانب سے فروری 1970ء میں منظرِ عام پر آیا تھا۔

اللہ عزّ وجّل کے بے پایاں لُطف وکرم کا شکر ادا کرنے سے میری زبان وقلم عاجز وقاصر ہیں جس نے اس کی اشاعت کی توفیق عطا کی۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْب

جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ذات گرامی مجموعہ کمالات وتمام صفاتِ عالیہ کا مظہر تھی۔ اُنہوں نے معاشرت کے طریقے بھی سکھائے اور معاشیات سے بھی روشناس کیا۔ وہ پس ماندہ ودر ماندہ وخستہ حال انسانوں کے زخموں پر مرہم رکھنے اور انسانیت کا وقار بلند کرنے کیلئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اُن کا اُسوۂ حسنہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے اور اُن کے ارشادات دُکھی انسانیت کے ہر درد کا درمان لئے ہوئے ہیں۔

زمین پر علماءِ حق کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ اور ملّتِ اسلامیہ کا گرانقدر سرمایہ ہے۔ ''علم'' انبیاء عَلَیْھِمُ السّلام کی میراث ہے اور اس مقدس میراث کے وارث علماءِ حق ہیں۔ صاحبِ تصنیف علماء کے آثار مسلمانوں کا گراں مایہ ورثہ ہیں۔ علم و دانش کی یہ یادگاریں روشنی کے مینار ہیں جو ہر دور میں انسانوں کی رہنمائی کرتے اور تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔

برادرِ عزیز سمیع الحق مرحوم اس کتاب کی اشاعت کا ارادہ رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے ان کے دوست جناب جاوید اقبال پراچہ صاحب نے اس پر تبصرہ لکھا تھا۔ (جناب جاوید اقبال مرحوم کا تبصرہ اس ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے) برادرم سمیع الحق مرحوم نے اس کتاب کی نئی کمپوزنگ کی مگر داعیٔ اجل نے مُہلت نہ دی۔ اُن کی کاوش ناتمام رہ گئی اور وہ 27 اپریل 2019ء کو سوئے منزل روانہ ہوئے۔

کل کوئی اور تھا یہاں موجود
آج ہم نے یہاں صدا دی ہے!

احسان فراموشی ہوگی اگر میں اُن عالی قدر اہلِ علم و فضل مہربانوں کا ذکر نہ کروں جن کی اخلاقی اور علمی معاونت نے مجھے حوصلہ دیا۔

1۔ جناب مولانا عبدالقیّوم حقّانی صاحب مدّظلہ عالی نے ''ابی و مرشدی'' اور ''رشحات قلم'' کے حوالے سے میری بے حد ہمّت افزائی فرمائی ہے میں اُن کی علم پروری اور گرانقدر حکیمانہ ارشادات کیلئے سراپا سپاس ہوں۔

2۔ جناب بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر، قاری، حافظ فیوض الرّحمٰن صاحب نے حسبِ سابق مخلصانہ اور ہمدردانہ مشوروں سے نوازا۔ اُن کی نیک نیّتی، اخلاص اور مقتدر رائے کیلئے بے حد شکر گزار ہوں۔

3۔ میں اپنے عزیز بھائی سمیع الحق مرحوم کے مخلص دوست اور مُشیر جناب ڈاکٹر ابوسلمان سراج الاسلام حنیفؔ صاحب کی علمی معاونت اور دیانتدارانہ مشوروں کیلئے تہِ دل سے ممنون ہوں۔ ''رشحاتِ قلم'' کے حوالے سے بھی میں اُن کی احسان مند ہوں کہ تخریج کی مشقّت برداشت کی اور میرے ساتھ تعاون فرمایا۔ اس کتاب کی تدوینِ نو کے سلسلے میں بھی مجھے اپنی قابلِ قدر مشوروں سے نوازا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ فِی الدَّارَیْنِ خَیْرًا۔

4۔ عزیزم ڈاکٹر منہاج الحق کیلئے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دُعا گو ہوں کہ اس نیک کام میں مسلسل میری معانت کرتے رہے۔

5۔ عزیزانم ڈاکٹر راشد علی اور حافظ اشتیاق الرّحمٰن کیلئے بھی اللہ سے ان کی کامیابی اور خوشحالی کی دُعاء کرتی ہوں جو مجھے درکار سہولت بہم پہنچاتے رہے ہیں۔

آخر میں بصد عجز و انکسار اللہ ربّ العِزّت سے دُعاء کرتی ہوں کہ ہماری اس عاجزانہ کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے۔ میرے والدِ محترم مولانا سیّد محمد امین الحقؒ کیلئے صدقہ جاریہ، ہمارے لئے اور ہمارے معزّز معاونین کیلئے وسیلۂ نجات وثواب بنا دے اور تمام خوانندگان گرامی کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آمین یَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ !

مقدّمہ

بریگیڈیر ریٹائرڈ ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرّحمٰن

جمادی الاول ۱۴۴۵ء دسمبر ۲۰۲۳ء

حضرت مولانا سید محمد امین الحقؒ صاحب نور اللہ مرقدہ (ساکن طورو مردان کے پی کے) پاکستان کے نامور عالمِ دین، دارالعلوم دیوبند کے ۱۳۴۰ھ کے ممتاز فاضل علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے خاص شاگرد امام اولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز، بہترین مدرس اور اپنے وقت کے بہترین صوبائی خطیب محکمہ اوقاف پنجاب اور محقّق مصنّف اور طورو مردان کے مشہور علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ تھے، وہ مسلم لیگ شیخوپورہ کے صدر کی حیثیت سے ۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء میں قراردادِ پاکستان مع دیگر اراکین کے شریک ہوئے تھے، ان کی علمی دینی اور روحانی خدمات سے آگاہی کیلئے ان کی لختِ جگر اور ہماری محترم دینی بہن ریٹائرڈ پرنسپل سیّدہ زکیّہ خانم صاحبہ اپنے والدِ گرامی کی واحد علمی یادگار ہیں انہوں نے اپنے والد گرامی کی ابی و مرشدیؒ کے نام سے ۱۴۰ صفحات میں سوانح حیات لکھی ہے، وہ بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جارہی ہے۔

وہ اپنے والدِ محترم کی تصانیف کو افادۂ عام کی خاطر اپنے عزیز بھتیجے ڈاکٹر سیّد منہاج الحق صاحب کی معیّت میں منظر عام پر لاتی رہتی ہیں، پیشِ نظر کتاب اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات جو محکمہ اوقاف مغربی پاکستان کے شعبہ تعلیم و مطبوعات کی طرف سے فروری ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی تھی دوبارہ اچھے کاغذ اور کمپوزنگ کے ساتھ صدقۂ جاریہ کے طور پر شائع کررہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اس کا دارین میں بدلہ دیں ۔اس کتاب میں فاضل مصنف نے بڑے محققانہ انداز میں اسلام کے نظامِ معاش، وسائل معاش، اور نظریاتِ معاش پر کلام کیا ہے،اور خاص طور پر زراعت کاشتکاری سے متعلق مسائل کو قرآن وسنت اور عملِ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی روشنی میں بڑی وضاحت اور تفصیل سے پیش کیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ اور اسے عملی جامہ پہنانے سے پاکستان معاشی لحاظ سے بہت مضبوط ہوسکتا ہے جسکی آج سخت ضرورت محسوس کی جارہی ہے، میں اس کتاب کی اشاعت پر اپنی فاضلہ بہن سیّدہ زکیہ صاحبہ اوران کے بھتیجے ڈاکٹر سید منہاج الحق صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اسِ کتاب کی قبولیت اور مقبولیت کے ساتھ اس کا نفع عام اور تام ہو۔

آمین

قاری فیوض الرّحمٰن

تبصرہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

دنیا کے اکثر ممالک اس وقت جن گھمبیر اور مشکل مسائل سے دوچار ہیں اُن میں اقتصادی اور معاشی سرِ فہرست ہیں۔ روز بروز بڑھتی ہوئی آبادی اور سُکڑتے ہوئے وسائل۔ بے دریغ اور بلا ضرورت مشینری کا استعمال اور افرادی قوت پر عدم انحصار۔ سامانِ تعیّش کے حصول کی اندھا دھند دوڑ۔ غریب اور خام مال فراہم کرنے والے ممالک کا استحصال۔ جارحیّت کے خطرات کے پیشِ نظر فوجی قوت کے پھیلاؤ اور سب سے زیادہ زمین کی پیداواری صلاحیّت میں کمی کے باعث دنیا بھر کے ممالک مختلف طبقات میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ اجارہ داریوں کے قیام کے رجحان نے بھی بعض ممالک کو مقہور بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ملکوں کا اقتصادی بٹوارہ چند ایسے مسائل ہیں جنہوں نے امیر ملکوں کو امیر تر اور غریب ملکوں کو غریب تر بنا دیا ہے۔ اقتصادی بدحالی کے سائے بعض ملکوں پر اس قدر گہرے ہیں کہ وہاں کے عوام کیلئے ایک وقت کی روٹی کا حصول بھی مشکل ہو گیا ہے۔

دنیا مختلف اقتصادی نظاموں میں بٹی ہوئی ہے کہیں سوشل اکانومی رائج ہے تو کہیں سرمایہ داری کا نظام ہے۔ کچھ ممالک میں نہ سوشلزم ہے نہ سرمایہ داری اور کئی ممالک ایسے ہیں جہاں دونوں نظام کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں اس تخصیص نے بھی اقوام کو اقتصادی کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے اس وقت دنیا میں جس قدر نظام ہیں اُن میں سے کسی نہ کسی صورت میں قباحتیں موجود ہیں۔

اشترا کی نظام میں فرد کی حیثیت مشین کے ایک پُرزے کی سی ہوتی ہے اور اس کی

ضروریات اور احتیاجات کی تکمیل کا سامان سٹیٹ کی ذمّے داری ہوتی ہے فرد کی صلاحیتیں اُس کی ذات کے فروغ کے بجائے سٹیٹ کی پالیسی کے تابع ہوتی ہیں جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں فرد کی صلاحیتیں محض اپنی ذات کے فروغ پر صرف ہوتی ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی یہ خاصیت باوسائل افراد کی مزید نشونما میں مددگار ثابت ہوتی ہے جبکہ وسائل سے محروم افراد حصولِ زر یا اقتصادی فراغت میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اُن کے درمیان فرق میں روز بروز اس شدت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے کہ کچھ لوگوں کی اعلیٰ ترین مادی وسائل تک رسائی اس قدر آسان ہوجاتی ہے کہ وہ سیاہ وسفید کے مالک بن جاتے ہیں اور اس عمل میں وسائل سے محروم افراد اس قدر پیچھے رہ جاتے ہیں کہ ناکامیاں ان کے مقدر کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اقتصادی بدحالی کے اس دور میں غریب ممالک کاروبارِ مملکت چلانے کیلئے کاسئہ گداگری لئے پھرتے ہیں اور حکومتوں کی پوری مشینری غیرملکی قرضوں کے حصول میں سرگرداں رہتی ہے۔ قرضہ اور سود کا باہمی اشتراک مزید قرضوں کا متقاضی ہوتا ہے۔ قرضوں کی ادائیگی کی عدم اہلیت مزید قرضوں کے حصول کا بہانہ بنتی ہے اور اسطرح یہ ممالک تمام پیداواری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے باوجود مزید قرضوں کے بوجھ تلے دبتے چلے جاتے ہیں۔ حکومتیں اور افراد اس بھنور میں ایسے پھنستے ہیں کہ رہائی ناممکن ہو جاتی ہے اور ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر آج ایک ایسے اقتصادی نظام کی بڑی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے جو ایک طرف تو حکومتوں کو اپنے وسائل پر انحصار کی راہ دکھائے اور دوسری طرف فرد کی صلاحیتوں کا کما حقہ نعم البدل ہو۔ جہاں محروم کی کفالت ہو اور باوسائل اپنے وسائل میں محروموں کو حصّہ دار بنائیں۔ یہی ایک نظام بدحالی کے اس دور میں روشنی کی کرن ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت میں سود کے گھُن سے نجات حکومتوں کے وسائل کیلئے تقویت کا باعث بنتا ہے اور صاحبِ ثروت افراد کو محروم افراد کے احتیاجات کا کفیل بناتا ہے۔

اب جبکہ مروجہ اقتصادی نظاموں کی تمام خرابیاں خوبیوں کے خیمے سے باہر آ گئی ہیں تو ایک ایسے اقتصادی نظام کی ضرورت شدّت سے محسوس کی جارہی ہے جو ایک طرف تو افراد کی صلاحیتوں کا ثمر فراہم کرے اور دوسری طرف کم وسائل کے حامل افراد کی محرومیوں کا مداوا ہو اور ایسے ادارے تقویت پائیں جو ایک حکمران کو بھیس بدل کر رعایا کی ضروریات کا احساس دلانے کیلئے اُٹھ کھڑے ہونے پر مجبور کریں اور رعایا کے کسی ایک شخص کی فاقہ زدگی حکمرانوں کی نیندیں حرام کردے جہاں استحصال کا مزدور کو اُجرت اُس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرنے کی عقل دے۔ان تمام خوبیوں کا حامل صرف اسلام کا معاشی نظام ہی ہو سکتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام یا معاشرتی نظریات کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن جناب مولانا سید محمد امین الحق مرحوم کی اس زیرِ نظر کتاب میں اسلام کے معاشی نظام کی خوبیوں پر اس مدلّل انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وہ گوشے جو مغربی مفکرین کی نظروں سے اب تک اوجھل رہے ہیں اپنی تمام تر خوبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔حضرت مولانا خود ایک بہت بڑے عالمِ دین، مصلح مفکر اور مقرّر تھے اور ایک ایسے خانوادے کے چشم و چراغ تھے جس کا اوڑھنا بچھونا دین اور تبلیغِ اسلام تھا۔

حضرت مولانا نے زیرِ نظر کتاب میں اس امر پر واضح بحث کی ہے کہ اسلام محض ایک ضابطہ اخلاق نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پیش آنے والے مسائل، معاشرت، معاشی اخلاقیات، ادئیگی فرائض، حصولِ حقوق، خوش خلقی، حُسنِ سلوک اور صلہ رحمی جیسے افکار کی اساس ہے۔زیرِ نظر کتاب میں دنیا کے رائج الوقت نظام ہائے معیشت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ان کی قباحتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے مولانا نے قرآنِ پاک کے قوانین کے پس منظر میں اسلام کے معاشرتی نظام کو پُر اثر انداز میں واضح کیا ہے۔قرآنِ پاک اور ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں اسلامی معاش میں حکمرانوں کے فرائض اور ذمّے

داریوں معیشت کے وسائل پر عوام الناس کے بلاواسطہ تصرف، فرد کی معاشی ضروریات اور حصولِ ضرورت سے زیادہ مال وزر، جائیداد اور زرعی زمین کے استعمال، زمین کو کرائے پر چڑھانے اور مزارعت کے قوانین پر طویل بحث کی ہے۔ ارشادِ نبویؐ اور احادیث مبارکہ کے حوالے سے ان تمام مسائل کی وضاحت کی ہے جو موجودہ نظام ہائے معیشت کے تحت دنیا بھر کے عوام کو درپیش ہیں۔ اس کے علاوہ معیشت کے تمام پہلوؤں کا بنظر غائر جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کے فرد کو باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ معیشت میں اس قدر انہماک مضر ہے جو ایک مسلمان کو ارکانِ اسلام کی بجا آوری سے غافل کر دے مثلاً ابوامامہ باہلی کی حدیث درج کرتے ہیں کہ حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ اگر زراعت میں انہماک جہاد وغیرہ مطلوبہ امور سے روکتا ہے تو اس کی ذلّت اور ممنوع ہونے میں شک نہیں۔

حضرت مولانا اسلام کے معاشی نظریات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں اسلام ایسے معاشی نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نسلِ انسانی کے افراد کی حاجات پوری ہوتی ہوں۔ معیشت کو دولت مندوں کیلئے مقابلے کا میدان بنانے کے بجائے وسائل کی افادیت عام ہو۔ دولت کو محفوظ کرنے اور خزانے بنانے سے روکا جائے صدقات واجبہ کے علاوہ اربابِ ضرورت کے حقوق قائم کیے جائیں اور دولت کا اصراف جائز طور پر ہو۔ زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ جہاں عام قاری کو اسلام کے معاشرتی نظام کا فہم وادراک فراہم کرتا ہے وہاں معاشی اور زرعی منصوبہ بندی کے ماہرین کیلئے ایک ایسی راہ کی نشاندہی کرتا ہے جو وسائل کے حصول واستعمال کے سلسلے میں مبنی برحق اصُول وقوانین بتاتا ہے۔

معاشیات واقتصادیات کے طالب علم بھی اس کتاب سے کما حقہ استفادہ کر سکتے ہیں بلکہ یہ کتاب یونیورسٹی کی سطح پر نصاب میں شامل کئے جانے کے قابل ہے۔

جاوید اقبال پراچہ
شعبۂ خبر۔ پاکستان ٹیلی ویژن مرکز پشاور

پیش لفظ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ ؛ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ اُوْفُوْ عَھْدَہٗ ؛ اَلَّذِیْنَ ھُمْ مَفَاتِیْحُ الرَّحْمَۃِ وَمَصَابِیْحُ الّغُرَرِ ۔ اَمَّا بَعْد۔

اسلام ایک مکمل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے، یہ چند عقائد وعبادات پر مشتمل دین نہیں بلکہ یہ اپنے اندر معاملات، اخلاقیات، معاشیات اور ایک کامیاب زندگی کے بنیادی خدوخال اور اصول رکھتا ہے۔ ان بنیادی چیزوں میں ''معاشیات'' کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی معاشی نظام کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس میں تجارت کو وہ بنیادی اہمیت حاصل ہے جو ایک بدن میں دل کو حاصل ہوتی ہے، اس نظام میں ''زر'' یعنی دولت کو حقیق جنس کے طور پر مانا جاتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ قمار، چوری، ڈکیتی اور حرام سے پاک ہو۔

یہ نظام ترغیب دیتا ہے کہ بازار آزاد ہوں جہاں ہر شخص اپنی اشیاء کو فروخت کر سکتا ہو۔

اسلام کے معاشی نظام کی خصوصیات یہ ہیں

۱۔ وہ تمام مسائل جن پر انسان کا معاشی انحصار ہے، سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اُس کی تخلیق ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَآ فِی الْاَرْضِ**

[سورۃ البقرہ۲:۲۸۴]

''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔''

۲۔ خالقِ کائنات، رازق کائنات بھی ہے، وہی تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے۔

وَمَامِنْ دَ اٰبَّۃِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا [سورۃ ہود۔۱۱:۶]

''اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھا ہو''

۳۔ اسلام کا معاشی نظام انفرادی حقِ ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس میں بے شک کچھ حدود و قیود لگائی گئی ہیں لیکن انسان کو اُس کے بنیادی حق سے محروم نہیں کیا گیا:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ [سورۃ البقرۃ ۲:۲۶۷]

''اے ایمان والو! جو کچھ تم نے اگایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہو اُس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ [اللہ کے راستے میں] خرچ کیا کرو۔''

۴۔ اسلام، حقِ معیشت میں مساوات کا قائل ہے اور اسبابِ معیشت میں ہر انسان کو فائدہ اُٹھانے کا مساوی حق فراہم کرتا ہے:

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ۝

[سورۃ الاعراف ۷:۱۰]

''اور یقیناً ہم نے زمین میں تمہیں رہنے کی جگہ دی، اور اس میں تمہارے لیے روزی کے اسباب پیدا کیے۔ تم لوگ شکر کم ہی ادا کرتے ہو۔''

۵۔ جس طرح اسلام، حقِ معیشت میں مساوات کا داعی ہے اور ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ اسبابِ معیشت سے فائدہ اُٹھانے کا حق دیتا ہے اسی طرح حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے درجاتِ معیشت میں تفاوت کی نشاندہی کرتا ہے، یعنی اسلام میں معاشی مساوات کا مفہوم یہ ہے کہ ہر ذی روح کو دنیا میں رہنے کا حق حاصل ہو، محنت اور ترقی کے راستے سب کے لیے کھلے ہوں اور ہر کوئی معیشت میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ اس کا فیصلہ اُس کی محنت، قابلیت اور کام کرنے کی صلاحیت پر رکھا گیا ہے۔ جتنا وہ کام کرے گا اُسی حساب سے معیشت میں اُس کا درجہ ہوگا:

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ۔ [سورۃ النحل ۱۶:۷۱]

''اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں برتری دے رکھی ہے۔''

مذکورہ بالا اَساسی قوانین کے ساتھ اسلام نے معاشیات کے میدان میں اخلاقی اقدار کی نشاندہی کی ہے، جن میں تقویٰ، احسان، ایثار، عدل، اخوت، تعاون، توکل، قناعت اور مساوات اہم ہیں۔

قارئینِ کرام ! آپ اپنے ہاتھوں میں ''اسلام کا معاشی نظام'' کے عنوان سے جو کتاب اُٹھائے ہوئے ہیں، یہ اُس بطلِ جلیل کی زندہ جاوید تصنیف ہے جس نے منکرینِ حجیت حدیث کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس عالمِ بے بدل نے کئی مفید کتابیں، رسالے اور مقالات مختلف عنوانات پر لکھ کر اپنی بساط کے مطابق دین کی خوب خدمت کی۔ علمی دنیا میں وہ مولانا سیّدامین الحق صاحب کے نام سے

مشہور ہیں اُن کے اَخلاف و اَحفاد بہت ہی خوش نصیب ہیں جو ایسے اَسلاف کا علمی ورثہ، علمی اور دینی امانت جان کر نہایت ہی تکلیف و مشقت اُٹھا کر مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں مزید ترقیاں دیں اور یہ خالص اسلامی و دینی خدمت اُن کے میزانِ حسنات میں ڈال کر قبول فرمائے۔ **آمین**

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

۱۲۔صفر ۱۴۴۶ء = ۱۷ اگست ۲۰۲۴ء

مقدمہ

آج بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہیں کہ اسلام صرف ایک ضابطہء اخلاق ہے۔اس کے دامن میں کوئی معاشی اور اقتصادی نظام نہیں جو عملی طور پر آج کے وسعت پذیر معاشرہ اور سوسائٹی میں نافذ کیا جاسکے۔

انسانی تاریخ اس نظریئے کی تکذیب کرتی ہے۔انسان نے ہر دور میں اپنی معاشی و اقتصادی فلاح و بہبود کے لیے مختلف نظام اور طریقے ترتیب دیئے، اپنے معاشی مسائل حل کرنے کے لیے ہمیشہ کوشش کرتا رہا۔لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انسان کا لایا ہوا کوئی بھی نظام، اِس انسانی مسئلہ کو صحیح اور مکمل طریقہ پر حل نہیں کرسکا۔کیونکہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین دوام اور مستقبل کے تغیّر پذیر تقاضوں کا ساتھ دینے سے قاصر ہوتے ہیں۔دنیا کے قدیم وجدید نظاموں میں آج تک کوئی ایسا نظام نہیں بن سکا جو انسانیت کو خوش حالی ومسرت، عدل ومساوات اور امن وسلامتی کا واضح راستہ دکھا سکا ہو۔

یہ بات صرف خدا کے بنائے ہوئے نظام ہی میں ہوسکتی ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرسکے۔اور جس کی افادیت اور ہمہ گیری زمان ومکان اور حال و مستقبل کے قیود سے بالا ہو۔

کم فہم اور کوتاہ نظر ہیں وہ لوگ جو اسلام کو محض ایک ضابطہ اخلاق سمجھتے ہیں۔

اسلام نے پوری بنی نوعِ انسان کی معاش اور اقتصاد کو جس متوازن اور بہتر طریقے سے حل کیا ہے ایسا حل دوسرے مذاہب یا مذہب سے آزاد مفکر، مصلح، اور قانون ساز آج تک پیش نہیں کرسکے۔یہ صرف اسلام ہی کا لایا ہوا نظامِ معشیت ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے انسانوں کی طبقاتی کشمکش اور امیر وغریب کے درمیان انتقامی احساسات اور کاروائیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں فاضل محترم جناب مولانا سیّد محمد امین الحق صاحب نے بڑے محققانہ انداز میں اسلام کے نظامِ معاش، وسائل معاش اور نظریات معاش پر کلام کیا ہے۔ خاص طور پر مولانا موصوف نے زراعت اور کاشتکاری سے متعلق مسائل کو قرآن وسنت اور عمل صحابہ کی روشنی میں بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے۔ جس سے ان لوگوں کے شکوک بھی کلیتًا ختم ہو جاتے ہیں جو اپنی علمی بے مائیگی کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں جاگیرداری نظام ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے اسلام کے نظامِ معاش کے بارے میں لوگوں کے بہت سے شبہات دور ہو جائیں گے۔ ہمیں خوشی ہے کہ مولانا نے شعبۂ تالیف ومطبوعات اوقاف کو اس کتاب کی اشاعت کا موقع عنایت کیا۔

ناچیز

محمد میاں صدیقی

ریسرچ آفیسر (شعبۂ تعلیم ومطبوعات)

محکمہ اوقاف مغربی پاکستان لاہور۔

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ط

الحمد للہ الّذی نورّ قلوبنا بنور العلم والایمان وانقزنا بالعلم من ظلمات الجھالہ والکفران وھدانا بالاستبصار بہ عن الوقوع فی عمایۃ الضلالۃ والطغیان وانطقنا بالاعتصام بہ علی سنن الحق البیان و مَنَّ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتِہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب والحکمہ وان کانوا من قبل لفی ضلال مّبین ونصلی ونسلم علیٰ سیّدنا وسندنا ومولٰینا محمّد ﷺ خاتم النّبین علی اٰلہٖ واصحابہٖ الطیبین الطاھرین وعلیٰ ائمہ الفقھاء والمحدثین والعلماء الرّاسخین: امّابعد

مذہب اسلام اپنی عالمگیر جامعیّت کے ساتھ کائنات کے ایک ایک شعبہ میں راہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا تعلّق اگر ایسے امور کے ساتھ ہے کہ دنیا کی حیات کے بعد قیامت کی حیات میں مہلک اور مضر یا مفید اور نجات دہندہ ثابت ہوتے ہیں تو اسلام نے دنیا کی زندگی میں بھی انسانی حیات کو افضل اور قابلِ تحسین تعلیمات اور ہدایات سے بہرہ ور کیا ہے اور کسی غیر سے استفادہ کا محتاج نہیں چھوڑا ہے۔ اہلِ اسلام اگر آج اپنی حیات میں غیروں کے دست نگر معلوم ہوتے ہیں اور اپنی بہتری غیروں کے دامن کی وابستگی میں خیال کرتے ہیں تو ان واہی تباہی اسباب میں سب سے اہم اور مقدم سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے معاشی نظام میں بھی اسلام کے احکام اور ضروری ہدایاتِ حیات سے بیگانہ ہے اور اپنے علم میں قلاش ہے اس لیے افلاس اور غربت کا شکار بن رہا ہے۔ کاش۔ اہل اسلام اللہ کی کتاب اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کو اپنے معاش

میں قائم رکھیں اور یہ دیکھ لیں کہ اسلام نے جس طرح کے اقتصادی نظام کو قائم کرنا چاہا ہے اس کا بدل اور اس سے بہتر کوئی قوم معاشی نظام نہ قائم کرسکی ہے نہ کرسکتی ہے۔ میں اس مختصر تحریر میں معاشی نظام کے متعلق اسلام کے نظریہ کی اختصار کے ساتھ وضاحت کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہر ایک مسلمان یہ سوچ لے کہ اس کے پاس بیش بہا ذخائر اور نظام ہائے معاش میں بہتر معاشی نظام کا طریقہ موجود ہے اور اللہ کی کتاب اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنّت نے اہل اسلام کو کسی غیر کے معاشی نظام سے استفادہ کرنے کا دست نگر نہیں رکھا ہے اور اہل قلم حضرات سے استدعا ہے کہ اس تحریر میں میری لغزشوں سے اغماض اور مشفقانہ اصلاح سے مشکور فرمائیں۔

معاشی نظام

ہر ایک متنفس میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوت اور زندگی سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ مگر انسان کے افراط کا یہ جذبہ معاش وحیات کے وسائل کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اس لیے قانونِ فطرت ہر ایک انسان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے ایسا صالح معاشی نظام پسند کرتا ہے جس کی بنیاد عدل اور حق معیشت کی مساوات پر قائم ہو اور اس کو ایسے انضباط میں رکھنا چاہتا ہے جس میں نہ بالکل مجبور کیا جائے اور نہ بالکل آزاد اور مختار چھوڑا جائے۔ حضرت شعیبؑ کی قوم کے تمرد اور طغیان کی بعض بداعمالیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عہد سے ایسا طبقہ ضرور موجود رہا ہے کہ دولت اور تموّل کے باوجود بھی مسلسل ترقی اور اضافہ کی خواہش رکھتا تھا اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور سودا بازی کی بنیاد پر اس طبقہ کا معاشرہ قائم رہا اور تمام انسانی آبادی کو افلاس اور احتیاج میں الجھانا اس طبقہ کا بنیادی مقصد تھا۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت کے ساتھ ساتھ معاشی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا! "وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا

تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ٥ ”(اے میری قوم! پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت مچاؤ زمین میں فساد) (سورۃ ھود آیت نمبر ۸۵)۔

اس قوم میں ظلم و عدوان کا جو رواج اور دستور تھا اس کی اصلاح کا حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو امر فرمایا اور کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف کرنے کی ممانعت فرمائی۔ قوم نے آپ کو جواب دیتے ہوئے کہا! **اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِیۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا** ط (کیا تیری نماز تجھ کو یہ امر کرتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادا یا جو کچھ ہم اپنے اموال میں چاہتے ہیں کرنا چھوڑ دیں۔ (سورۃ ھود آیت نمبر ۸۷)

حضرت شعیبؑ نے قوم کو نفع کمانے سے نہیں روکا بلکہ آپ نے ان کو اس بات پر توجّہ دلائی کہ تمہارے کاروبار میں حلال طریقہ سے تھوڑا سا نفع بھی بہتر ہے۔ اُس زیادہ نفع سے جو حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے۔ قوم نے حضرت شعیبؑ کو جواب دینے میں یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ وہ مال اور دولت کے حصول میں حرام اور حلال کی پابندی سے آزاد ہیں جس طرح چاہیں دولت حاصل کریں اور جس طرح چاہیں صرف کریں۔ وہ اپنے سرمایہ میں آزاد اور خود مختار ہیں اور حضرت شعیبؑ کی حرام اور حلال پابندیوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہی وہ قدیم مشرکانہ نظریہ ہے جس نے جدید نظریات میں یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ معاشی نظام کو اس طرح قائم کیا جائے کہ اسی کے ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جائے اور نفع بازی اور فائدہ طلبی کسی حد پر بھی جا کر ختم نہ ہو۔

سرمایہ دارانہ نظام

یہ نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کا بانی اور مؤسس ہے اور اس کے تحت سرمایہ دارانہ نظام پھلتا اور پھولتا ہے اور ایسے نظریات کے یہ بدنتائج ہیں کہ ایسا نظام دولت اور ثروت کے

ارباب کو زیادہ بلند کرتا ہے اور دوسری تمام انسانی آبادی کو غربت اور افلاس کے گڑھے میں پھینکتا ہے اور نیز اس طرح کے سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ایسی آزاد اور مختار ملکیت پر ہے کہ حرام اور حلال کے امتیاز جائز اور ناجائز کا فرق کیے بغیر جس طرح ممکن ہو مال اور دولت کو جمع کرلیا جائے اور دولت وثروت کی طاقت سے جس طرح زیادہ سے زیادہ نفع ممکن ہو حاصل کیا جائے اور اس نفع میں مزدور اور محنتی کو جس قدر ممکن ہو کم سے کم دیا جائے۔ سرمایہ دار کی حکومت اور اس کی برتری کے شکنجہ سے کسی وقت بھی مزدور اور محنتی کے لیے باہر نکلنا ممکن اور آسان نہ رہے گا۔ اور اس نظام کی اہم بنیاد سود پر قائم ہے۔ تمام بنک اور سودی کاروبار کے دوسرے شعبے اسی نظام کی تائید کے لیے ہیں اور غیر محدود سرمایہ کاری کی فراہمی اس سرمایہ دارانہ نظام کا مقصود حیات ہے اور اس نظام میں دولت کے حاصل کرنے کے لیے کسی قسم کی مذہبی اور اخلاقی پابندی نہیں ہے سود ہو یا قمار بازی جس طرح بھی ہو دولت حاصل کرنی چاہیے اور اسی طرح اسی نظام میں دولت کے خرچ کرنے میں بھی مذہبی اور اخلاقی پابندیوں کا التزام نہیں ہے جس طرح کے عیش وعشرت کے لیے جس قدر چاہو دولت کو خرچ کرو اور دولت کی فراوانی سے عالمی سیاست پر قبضہ کرلو اور اس نظام کے بالمقابل اشتراکی نظام کا دوسرا نظریہ ہے۔

اشتراکیّت

غیر سرمایہ دارانہ طبقات جب سرمایہ داروں کے مظالم اور تشدد سے تنگ آئے اور سرمایہ داری کے استبداد سے مجبور اور لاچار ہو گئے اور سرمایہ داری سے اس قدر متنفر اور بیزار ہو گئے تو جوش عداوت اور فرط نفرت میں سرمایہ داری سے انتقام کے لیے انفرادی اور شخصی ملکیت کو ممنوع قرار دیا۔ ملک سے انفرادی ملکیت کا خاتمہ کرنا چاہا۔ ملک کی تمام دولت کو قومی ملکیت کہا۔ قومی خزانہ کو ملک والوں کا رزاق قرار دیا۔ ملک کی تمام دولت کو مساویانہ طور پر تقسیم کرنے کو مقصد قرار دیا اور اس نظریہ میں حصول مقصد کے لئے تمام جھوٹ اور مکر و

فریب جائز قرار دیا۔خود ہمارے ملک میں ایسے برخود غلط لوگ موجود ہیں۔ جو مارکس اور لینن کے ساتھ دینی رشتہ جوڑنے کے لئے اس اشتراکی نظام کو قرآن شریف کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن شریف اور جدید نظریات

قرآن شریف ایسے اسباب و وسائل کو برداشت نہیں کرتا جنہوں نے معاشی استحصال کا موقع پیدا کیا اور جو بنی نوع انسان میں ظلم واستبداد کی راہیں کھولتے ہیں۔اور کسی خاص فرد یا طبقہ کو دولت سمیٹنے اور معیشت کے نظام پر قابض آنے کی سہولت دیتے ہیں۔اس لیے کہ قرآن شریف کسی خاص طبقہ یا فرد کی ثروت کو جائز نہیں جانتا ہے۔قرآن شریف تمام ایسی راہوں کو کھولتا ہے جن پر سے ارباب ثروت کی دولت اہل حاجت کو پہنچتی ہے۔قرآن شریف تمام ایسی تدبیریں اور حالات پیدا کرنے کو روکتا ہے جن سے خاص فرد یا طبقہ مخصوص ہوتا اور اس کی ثروت میں اضافہ ہوتا ہے اور اہل حاجات کو دولت پہنچنے کی راہ بند ہوتی ہے۔

قرآن شریف میں (سورۃ الحشر میں) ارشاد فرمایا گیا ہے! ''مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ط (جو مال ہاتھ لگا دیا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول ﷺ کے اور قرابت والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے تا کہ نہ آئے لینے دینے میں دولتمندوں کے تم میں سے) (سورۃ حشر آیت نمبر ۷)

جنگ اور مقابلے کے بغیر تمام مفتوحہ علاقوں اور بستیوں کا حاصل کیا ہوا فئے مذکورہ مصارف میں اس طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح کہ بنی نضیر کے اموال عام مسلمانوں کے مصالح کی تکمیل اور رفع حاجات وضروریات میں تقسیم کر دیئے گئے تھے اور مذکورہ آیت میں قرآن شریف نے عام مسلمانوں کے مصالح کی تکمیل اور رفع ضروریات میں فئی کے تقسیم کر دینے

کی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ ان اموال میں قوم کے یتیموں محتاجوں بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری اور عام اسلامی ضروریات کی انجام دہی ضروری ہے۔ثروت و دولت محض دولت مندوں کے الٹ پھیر کا سرمایہ اوران کے لیے مخصوص جاگیر نہیں ہے کہ سرمایہ دار مزے لوٹیں اور مذکورہ مصارف محتاج اور نامکمل رہیں اور فاقہ برداشت کریں۔

حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں!''**اى جعلنا هذه المصارفة لمال الفئى لكيلا يبقى ماكلة يتغلب عليها الاغنياء و يتصرفون فيها بمحض الشهوات والأرء ولايصرفون منه شيئا الى الفقراء**،، ترجمہ: (ہم نے مال فئی کے لیے مذکورہ مصارف اس لئے مقرر اور متعین کر دیے ہیں تا کہ اموال صرف دولت مندوں کے لیے سامان کھانے پینے کی متاع نہ بن جائے کہ وہ محض شہوات اور آراء سے ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں اور اہل ضرورت اور مصالح عامہ کی تکمیل کے لیے ان سے کچھ نہ لیا جائے (تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ص ۳۳۶)

سید آلوسیؒ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مذکورہ مصارف پر قرآن شریف اس لیے اموال کے تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اموال صرف دولت مندوں اور ارباب ثروت کے لیے مخصوص نہ کئے جائیں اور مسلمانوں کے مصالح عامہ اور ارباب حاجت کو ضرورت کی تکمیل اور رفع حاجات سے محروم نہ رکھا جائے۔(روح المعانی سورۃ حشر ص ۴۳)اور سورۃ حشر میں مذکورہ آیت کے بعد قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مال فئی سے عام مسلمانوں کی ضروریات اور حوائج متعلق ہیں۔لیکن خصوصی طور پر ایسے ایثار پیشہ جاں نثاروں اور سچے مسلمانوں کا حق مقدم ہے جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رسول پاک ﷺ کی محبت میں اپنے گھر بار اور مال و دولت کو خیر باد کہا اور مسلمانوں کی نصرت اور تعاون اور ایمان و عرفان کی راہوں پر جمے رہے۔اور ایسے قدیم الاسلام مخلصین کے بعد عالم وجود میں آئے اور حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔غرض یہ کہ اموال فئی کسی خاص فرد

یا خاص طبقہ کے لیے نہیں ہیں بلکہ عام مسلمانوں کے حوائج مہاجرین انصار اوران کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والے تمام لوگ ان میں شریک اور برابر کے حقدار ہیں۔قرآن شریف میں! **وَالَّذِیۡنَ جاءَ وامِنۡ بَعۡدِ هِمۡ** کا **وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُالدَّارَوَالۡاِیۡمَان** کی طرح **لِلۡفُقَرَاءَ وَالۡمُهَاجِرِیۡن** پر عطف ہورہا ہے۔

(اس کے معنی یہ ہیں کہ مہاجرین اورانصار کی طرح فئی کے اموال ان لوگوں کے واسطے ہیں جو مہاجرین اورانصار کے بعد یہ کہتے ہوئے آئے! ''**وَالَّذِیۡنَ جَآؤُ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡلَنَاوَلِاخۡوَانِنَاالَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَان**''(اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں)۔(سورۃ حشر آیت نمبر۱۰)

غرض یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کا یہ حق ہے کہ مسلمانوں کے اموال اوران کی دولت میں وہ شریک ہیں اور مسلمانوں کے اموال سے ان کی لازمی اور ضروری حاجات کو پورا کردیا جائے گا۔اور دولت کی تقسیم کوایسے طریقہ سے روکا جائے گا۔جس میں مسلمانوں کے کسی طبقہ یا حلقہ کو حصہ رسدی نہیں پہنچتا۔بلکہ مسلمانوں کی ذمہ دار شخصیت کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے اموال کو انضباط کے ساتھ اس طرح محفوظ کردے جس سے عامۃ المسلمین مستفید ہوسکیں۔

مسلمان حکمرانوں کی ذمّہ داری

چنانچہ حضرت عمرؓ سے صحابہؓ نے عراق اورشام کی زمین کے بارے میں یہ مطالبہ کیا کہ مفتوحہ زمین کوان پر تقسیم کریں اوران کوعراق کی اراضی کا مالک بنایا جائے۔حضرت بلالؓ اور حضرت زبیرؓ کواس مطالبہ پر اصرار تھا اور حضرت عمرؓ یہ کہہ کر اراضی کی تقسیم کا اور ان کو مالک بنانے کا انکار کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ آج اس زمین کو میں تقسیم کروں اور تم کواس کا مالک بناؤں اور تمہارے بعد تمہاری اولاد اس کو میراث میں حاصل کرے تو میں آنے والے مسلمانوں کو کیا جواب دوں گا اور میرے پاس ان کو دینے کے لیے کیا ہوگا۔

سرحدوں شہروں اور ملکوں کے انتظامات لشکروں کی ضروریات اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی حاجات اور دیگر غربا کی ضروریات کے لیے میرے پاس کثیر آمدنی کہاں سے آئے گی لہٰذا میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔اس زمین کی آمدنی تمام مسلمانوں کی ضروریات اور مذکورہ بالا حاجات کے لیے ہے۔جب صحابہؓ کا اصرار اور اختلاف حد سے بڑھ گیا تو حضرت عمرؓ نے جلیل القدر صحابہؓ کی مجلس مشاورت میں اس مسئلہ کو پیش کیا۔اور فرمایا ''میں تمہاری طرح ایک فرد ہوں اور تم کو آج حق کا فیصلہ کرنا ہے۔بعضے میری رائے کے مخالف ہیں اور بعضے موافق اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم میری خواہش کی پیروی کرو تمہارے پاس خدا کی دی ہوئی سچی کتاب ہے جو حق کو واضح کرتی ہے۔بخدا! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں بجز حق کے ارادہ کے میرا کوئی دوسرا ارادہ ہرگز نہیں ہے''جن حضرات صحابہؓ کو عراق کی اراضی کی تقسیم کرنے کے مطالبہ پر اصرار تھا وہ کہہ رہے تھے جس زمین کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے ذریعہ ہمیں دلایا ہے آپ اس کو ایسے لوگوں پر اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کے لیے روکتے ہیں کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں تھے اور نہ اس میں شہید ہوئے۔اور حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں صرف اس قدر فرمایا یہ میری رائے ہے۔مگر ان کی شمشیر زنی اور میدان جنگ میں ان کی شجاعت اور فتح مندی پر حضرت عمرؓ نے ان کی قدر افزائی کی اور استحقاق حق پر قطعاً توجہ نہیں فرمائی اور حضرات صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے دوسرے حضرات ارباب رائے سے استشارہ کرنے کا مطالبہ کیا۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے اوس اور خزرج میں سے پانچ پانچ جلیل القدر حضرات صحابہؓ کو اس بارے میں مشورہ کے لیے بُلایا۔

اور فرمایا! میں مسلمانوں کے حقوق کے تلف کرنے اور ان پر ظلم کرنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور ملکی اور ملی مصالح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا! میں دیکھتا ہوں کہ اراضی کسریٰ کے علاوہ شاید دوسری ایسی فتوحات نہ ہوں جن سے ملکی سیاسی انتظامات اور اہل حاجات کی ضرورت کی تکمیل کرسکوں۔میں چاہتا ہوں کہ سواد کی زمینیں تمام مسلمانوں میں تقسیم کردوں اور اراضی میں کام کرنے والوں پر خراج مقرر کردوں اور ان سے محصول وصول کروں۔

اہلِ شوریٰ کا فیصلہ

شوریٰ کے تمام حضرات نے حضرت عمرؓ کی رائے کی صحت پر بغیر کسی اختلاف کے اتفاق کیا اور حضرت عمرؓ نے اس اہم بحث میں یہ بھی فرمایا! ''میرے پاس میری رائے اور عزم کے لیے قرآن شریف کی حجت ہے'' اور سورۃ الحشر مذکورہ بالا آیات کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا! ''اللہ تعالیٰ نے مصارف مذکورہ کے ساتھ مہاجرین کو فئی اور غنیمت میں حق دیا ہے اور حق تعالیٰ صرف اس پر راضی نہیں ہوئے بلکہ مہاجرین کے ساتھ انصار کو بھی فئی اور غنیمت کے حق میں شریک کیا اور صرف اس پر اکتفا کرنے سے بھی حق تعالیٰ راضی نہیں ہوئے۔ بلکہ مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کے بعد آنے والوں کو بھی حق لینے میں شریک کیا ہے لہٰذا یہ ان تمام حضرات عامۃ المسلمین کی دولت ہے میں اس کو تقسیم نہیں کروں گا اور کسی ایک فرد یا کسی خاص طبقہ کو ہرگز اس کا مالک نہیں بناؤں گا''۔

حضرت عمرؓ کے اس بیان کے بعد تمام حضرات نے تقسیم اراضی کا مطالبہ چھوڑا اور قرآن کے ارشاد کے مطابق سواد کی سرزمین عامۃ المسلمین کی دولت قرار دی گئی۔

امام ابو یوسف متوفی ۱۸۲ھ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں! ''حضرت عمرؓ کا یہ عمل کہ مجاہدین اور فاتحین کے درمیان اراضی کو تقسیم کرنے سے آپ نے انکار کر دیا۔ اور اپنی رائے کی موافقت میں قرآن شریف کی آیات سنائیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ تھا اور اسی میں مسلمانوں کی بھلائی تھی اور خراج کا جمع ہونا اور اس کا مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہونا جماعتی مفاد کے اعتبار سے تقسیم اراضی کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر اور مفید تھا (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۵۔۲۷)

اور اسی طرح اسی کتاب کے ص ۳۵ پر بھی مذکور ہے۔ اور یحییٰ بن آدم (متوفی ۲۰۳ھ) لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا آؤ اکٹھے ہو جاؤ سوچ لو کہ یہ اموال کن حضرات کا حق

ہوسکتا ہے۔ جب سب اکٹھے ہوگئے تو آپ نے فرمایا میں قرآن شریف کی آیات سناتا ہوں اور اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور آپ نے سورۃ الحشر کی مذکورہ آیات تلاوت فرمائیں اور فرمایا ہر ایک مسلمان کا سوائے غلام کے اس مال میں حق ہے (کتاب الخراج یحییٰ بن آدمؒ ۴۴)

حجۃ الاسلام ابوبکر الرازی الجصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور صحابہ کی دوسری جماعت سے تقسیم اراضی کے بارے میں مشورہ کیا اور ان تمام حضرات نے ترک تقسیم اراضی اور ان پر کام کرنے والوں کی بحالی اور ان سے خراج لینے کا مشورہ دیا اور سورۃ الحشر کی آیات سے حضرت عمرؓ کے احتجاج کرنے پر تمام حضرات نے حضرت عمرؓ سے موافقت کی ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے صرف اغنیاء کے آپس میں لینے دینے سے دولت کے نکالنے کے لیے قرآن شریف کی آیت ''**کئیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم**،، سے ترک تقسیم اراضی کے لیے احتجاج کیا اور فرمایا اگر میں اراضی کو تقسیم کردوں اور میدان جنگ کے مجاہد غانمین کو مالک بنادوں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اراضی اور دولت کو صرف اہل ثروت میں لینے دینے کے لئے مخصوص کردیا ہے۔ جس کو قرآن شریف مذکورہ آیت میں منع کرتا ہے۔ اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی حضرت عمرؓ کے مذکورہ نظریہ کے لئے قرآن شریف کی مذکورہ آیت سے احتجاج کرنے میں مخالفت نہیں کی ہے۔ اگر حضرت عمرؓ کا مذکورہ نظریہ حضرات صحابہؓ کو تسلیم نہ ہوتا اور اس کے لیے قرآن شریف کی مذکورہ آیت کے احتجاج کرنے میں کچھ بھی پس وپیش ہوتی تو حضرات صحابہؓ حضرت عمرؓ سے سو فیصدی اتفاق ہرگز نہ کرتے۔ (احکام القرآن الجصاص ج ۳۔ ص ۵۲۹)

سیّد آلوسیؒ لکھتے ہیں ''اور ایسی حقیقت واقعی جس کی اخبار صحیحہ خبر دیتی ہیں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورۃ الحشر کی آیات کا تقاضا پورا کیا اور سورۃ الحشر کی آیات کو عامۃ المسلمین کے لیے قابل عمل سمجھا اور حضرت عمرؓ نے حضرت زبیرؓ حضرت بلالؓ حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ کے مقابلے پر جب کہ انہوں نے سواد عراق کی اراضی سرفروش غانمین پر تقسیم کرنے کا

مطالبہ کیا تھا۔سورۃ الحشر کی آیات سے احتجاج کیا اور حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ بلکہ مخالفین نے بھی عامۃ المسلمین کے لیے مذکورہ آیت سے احتجاج کرنے میں موافقت کی (روح المعانی تفسیر سورۃ الحشر ص ۴۰)

غرض یہ کہ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی اجتماعی دولت کے لیے جو نظریہ قائم کیا گیا تھا کہ وہ صرف ایسے اہل ثروت حضرات کے لیے نہیں ہے جس سے ان کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ وہ مسلمانوں کا ایسا سرمایہ ہے جس سے ملک وملت کے سیاسی انتظامات اور قوم کے اہل حاجات کی تکمیل پزیری ہوگی اور اس نظریہ کے لیے امت محمد ﷺ کے نام نامی امین، حضرت عمرؓ نے قرآن شریف سے دلائل پیش کئے اور اس نظریہ کی اصابت اور قرآن شریف کی آیات سے اس کے لیے حضرت عمرؓ کے احتجاج کرنے میں عزم عمرؓ سے موافقین اور مخالفین تمام صحابہؓ نے اتفاق کیا۔اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن شریف اپنے نظام میں ہر ایک فرد یا جماعت کو معیشت کے نظام پر قابض اور مسلط ہونے سے باز رکھتا ہے اس لیے کہ قرآن شریف کسی فرد اور جماعت کے لیے ثروت اور دولت کو مخصوص کرنا نہیں چاہتا اور اہل تمول کی دولت کو زیادہ سے زیادہ اور بلند سے بلند تر بنانا اس کے معاشی نظام کے مخالف اور متضاد اقدامات ہیں۔ بلکہ قرآن شریف عامۃ المسلمین کی ضروریات زندگی فراہم کرنے قوم کی احتیاج دور کرنے اور ملکی مصالح کی تکمیل کے لیے امرائے امت پر کچھ ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔امیر المومنین حضرت عمرؓ اور آپ کے تمام رفقائے کار حضرات صحابہؓ کے اجماع نے جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ارباب تیغ وسنان کی داد شجاعت کو ان کی ثروت میں اضافہ کرنے کے لیے استحقاق کا سبب نہیں جانا ہے بلکہ ملک اور قوم کے افراد کی ملک میں معیشت کے اسباب ووسائل میں اضافہ کرنے کو عامۃ المسلمین کو محتاج اور مفلس اور ملک کے انتظامی استحکامات کو نامکمل رکھنے کے مترادف قرار دیا ہے۔اس لیے ملک اور قوم کے اُمراء کو تمنن اور عطایا میں ملک اور قوم کی دولت کو تقسیم کرنے میں شدید احتیاط کی ضرورت

ہے اور جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے لیے اسلام کے معاشی نظام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے اس طرح اشتراکیت کے نظام کو بھی اسلام کا معاشی نظام ہرگز برداشت نہیں کرتا۔اس لیے کہ اشتراکیت کا سب سے پہلا اور اہم اصول ذاتی ملکیت کا انکار کرتا ہے۔اشتراکیت انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہے اور کسی فرد کو بھی دولت پر خود مختارانہ تصرف کرنے کا حق نہیں دیتی اور کسی آسمانی مذہب کی قائل نہیں۔اشتراکیت نے اپنا قبلہ صرف شکم پروری کو قرار دیا ہے۔اس گروہ کے تمام مسائل زندگی کا مبدا اور منتہا صرف پیٹ ہے۔

اسلامی نظام

اسلامی نظام اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام کے درمیان ایک معتدل راہ ہے۔ اسلام شخصی اور انفرادی ملکیت کو ثابت اور جائز قرار دیتا ہے۔اور اس بنیاد پر اس میں شرعی احکام کو قائم کرتا ہے اور صرف اس قدر نہیں بلکہ انفرادی ملکیت کو واجب الاحترام بھی قرار دیتا ہے اور کسی کے لیے بھی اس میں تعدی اور دست درازی کو جائز قرار نہیں دیا۔قرآن شریف عُشر اور خراج کے نظام میں فرائض کی تقسیم اور یتیموں کے اموال کی حفاظت اور وصیت کی اجازت کے احکام میں شخصی اور انفرادی ملکیت کو صحیح اور ثابت تسلیم کرتا ہے۔ قرآن شریف مذکورہ احکام میں اشتراکیت کے اصول کی تکذیب اور انکار کرتا ہے۔اگر قرآن شریف شخصی اور انفرادی ملکیت کو ثابت نہ رکھتا تو قرآن شریف کے مذکورہ احکام کی بنیاد کیونکر قائم ہوتی اور بیع وشرا خرید وفروخت کو قرآن شریف کیسے صحیح تسلیم کرتا۔اسلام ذاتی اور انفرادی ملکیت کی حفاظت کرتا ہے۔اور اس میں تعدی اور دست درازی کو حرام قرار دیا ہے۔قرآن شریف نے ارشاد فرمایا! ''وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا ٥ (اور دے ڈالو یتیموں کو ان کا مال اور نہ بدلو برے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ بڑا وبال ہے)(سورۃ النساء آیت نمبر۲)

یتیم کے ولی اور سرپرست کو حق تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ یتیم جب بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دیں اور یتیموں کی کسی اچھی چیز کو لے کر گھٹیا چیز کے مال میں شامل نہ کرو اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھائیں۔ قرآن شریف نے ارشاد فرمایا! **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوٰلَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** قف (اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت کو آپس کی خوشی سے) (سورۃ النساء آیت نمبر ۲۹)

کسی کو کسی کا مال ناحق کھا لینا چوری اور دغابازی سے کھانا ہرگز درست نہیں ہے۔ البتہ بیع و شرا میں باہمی رضامندی میں جائز طریقہ سے کسی کے مال لینے کی ممانعت نہیں ہے۔

اہلِ دولت کے اموال میں دوسروں کے حقوق ہیں

اسلام نے ذاتی ملکیت کو جائز قرار دیا ہے مگر اموال و دولت میں دوسروں کے حقوق اور فرائض بھی عائد کئے ہیں۔ اسلام نے ذاتی ملکیت کو اس قدر آزاد اور مطلق العنان نہیں چھوڑا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کے لیے کسی قسم کا حق باقی نہیں رہا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے ” **وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝** “ (اور ان مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا)

(سورۃ المعارج آیت نمبر ۲۴۔۲۵)

دولت مند کی دولت میں سائل اور محتاج دونوں کا حق ہے اور قرآن شریف میں ارشاد ہے ” **وَفِيْٓ اَمْوٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ** (اور جن کے مال میں حصہ ہے مانگنے والے اور محتاج کا) (سورۃ الذاریات آیت نمبر ۱۹)

اسلام شخصی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے۔ مگر ناجائز طریقوں سے دولت حاصل کرنے کو منع کرتا ہے اور عیش و عشرت اور خدا تعالیٰ کی معصیت میں مال کے خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ رفاہ عام، صلہ رحمی، یتیموں اور مسکینوں کی مدد کرنے میں ماں باپ کے ساتھ احسان

کرنے میں ذوی القربیٰ اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے میں دولت مندوں کو اسلام نے مال کے خرچ کرنے پر مامور فرمایا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے'' **وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا o** (اور قرابت والے کو اس کا حق دے دو اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اُڑاؤ فضول) (سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۶)

قرابت والوں کے اور محتاج اور مسافر کے مالی حقوق ادا کرو اور ان کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت خرچ کرو۔ فضول خرچی معاصی اور لغویات میں خرچ نہ کرو۔ کہ آگے چل کر یہ بے جا انفاق حقوق کی تفویت اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔ قرآن شریف کے اس طرح کے احکام بدیہی طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ مگر اس میں اہل ضرورت ارباب حاجات کے لیے بھی حقوق رکھتا ہے اور اموال کے صرف کرنے میں پابندی بھی عائد کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ امام شعبیؒ حضرت مجاہدؒ اور حضرت طاؤسؒ وغیرہ حضرات صحابہؓ اور تابعین نے فرمایا کہ دولت مند کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ میں ضحاک بن مزاحمؒ کے سوا اس کے خلاف کسی کہنے والے کو نہیں جانتا (المحلی ابن حزم ج ٦ ۔ص ۱۵۸)

اور ابن ابی شیبہؒ حضرت ابراہیم النخعیؒ حضرت مجاہدؒ ابن عامرؒ ابن عمرؒ حضرت عطاؒ حضرت حسنؒ سے یہ روایت کرتے ہیں ان تمام حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک مال دار کی دولت میں زکوٰۃ کے سوا بھی حقوق ہیں ۔ (مصنفہ ابن ابی شیبہ ج ۳ ۔ص ۱۹۰ مطبع اندرا پردیش حیدرآباد دکن) اسلام معاشی نظام میں اہل ثروت پر صدقات واجبہ کے علاوہ اہل ضرورت کے لیے حقوق قائم کرتا ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اسلام سرمایہ دارانہ نظام کو قطعاً پسند نہیں کرتا اور اشتراکیت کی طرح دولت حاصل کرنے والے کو اپنی دولت صرف کرنے اور اپنی کمائی کے مالک بننے سے مفلوج اور محروم نہیں کرتا۔ بلکہ ارباب ثروت کو مالک تسلیم کرنے کے باوجود صدقات واجبہ کے علاوہ اہل حاجات کے مصارف میں اتفاق کرنے پر مامور کرتا ہے اور ان

کو یہ اختیار دیتا ہے کہ اپنے اختیار اور تصرف میں اپنی دولت کو خرچ کرے اور اس کو اپنے لیے مخصوص اور خزانہ نہ بنائے۔

معیشت کے حق میں مساوات ہے

اسلام دولت مندوں کی ثروت کو جائز قرار دیتا ہے اور کسی دولت مند پر ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرتا مگر اس کے ساتھ نفس معیشت میں بنی نوع انسان کے ہر فرد کو دولت مندوں کے ساتھ مساوی اور برابر کا حق دیتا ہے۔ اور اسلام کسی انسانی فرد کا نفس معیشت سے محروم رکھنا برداشت نہیں کرتا ہے۔ سورۃ الحشر میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

"مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ط (جو مال ہاتھ لگایا اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے اور قرابت والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے تا کہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے) (سورۃ حشر آیت نمبر ۷)

سابق صفحات میں آپ نے یہ پڑھ لیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سواد کی تقسیم کا مطالبہ کرنے والوں کے مقابلہ پر سورۃ الحشر کی آیات سے سواد کے تقسیم نہ کرنے کے لیے احتجاج کیا تھا اور حضرت عمرؓ کے اس احتجاج کرنے پر تمام مخالفین اور موافقین حضرات صحابہؓ کے اتفاق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف معیشت کے حق کو نسل انسانی کے تمام افراد کے لیے مساوی طور پر برقرار رکھتا ہے اور کسی کو بھی حق معیشت کی مساوات میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں دیتا۔ ورنہ جن حضرات نے سواد عراق اور شام کی اراضی کو سرفروشانہ قربانیوں سے بزور شمشیر حاصل کیا تھا۔ ان حضرات کے علاوہ عراق اور شام کی اراضی سے دوسرے ایسے حضرات آنے والوں کو جو مذکورہ فتوحات میں شریک نہیں تھے معیشت حاصل کرنے کا حق ہر گز نہ دیا جاتا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ سواد کا علاقہ بزور شمشیر فتح ہوا اور مجاہدین میں اس

لیے تقسیم نہیں کیا گیا کہ ان میں تمام مسلمانوں کا حق تھا۔سلیمان بن یسارؒ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے سواد کا علاقہ ان لوگوں کے لیے محفوظ رکھا جو مردوں کے صلب اور عورتوں کے رحم میں ہیں اور اہل عراق کو ذمی قرار دیا (فتوح البلدان باب فتوح السوادص ۳۸۳)

غرض یہ ہے کہ اُمناء امت کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ مصلحت عامہ اور اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ حکمت میں اگرچہ رزق کے اعتبار سے تفاضل اور تفاوت درجات پایا جائے لیکن اس تکوینی تنوع کے باوجود بھی نسل انسانی کا کوئی فرد معیشت کے حق سے محروم نہ رہنے دیا جائے۔اور اہل ثروت کی دولت میں اضافہ کرنے پر مزید التفات اور توجہ نہ کی جائے۔

معیشت کے اساسی اُصول

قرآن شریف نے معاشیات کے اساسی اصول میں واضح طور پر بیان کیا ہے کہ ۔حق تعالےٰ نے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی ہے اور کسی قسم کی قید اور تخصیص کے بغیر قرآن شریف نے اس بحث میں ہر ایک فرد بشر کو مخاطب کیا ہے کہ معیشت کے اسباب و وسائل حق تعالیٰ کی ایسی عطا اور بخشش ہے جس سے نسل انسانی کے ہر ایک فرد کو معاش حاصل کرنے اور فائدہ اُٹھانے کا حق دیا گیا ہے۔قرآن شریف نے ارشاد فرمایا ہے

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ ج فَمَا الَّذِيۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّىۡ رِزۡقِهِمۡ عَلٰى مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَهُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ ط،،سورۃ النحل آیت نمبر۷۱)

ترجمہ:اور اللہ تعالیٰ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر روزی میں سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچادیتے اپنی روزی ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہوجائیں) اللہ کی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لیے برابر ہے ۔البتہ اللہ کی تکوینی حکمت بالغہ نے احوال اور استعداد کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کسی کو مالدار اور بااقتدار بنایا اور کسی کو ان کے نیچے اور قوت لایموت پر رکھا ہے۔

سیّد آلوسیؒ سورۃ النحل کی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔جن کو حق تعالیٰ نے

رزق میں بڑائی دی ہے۔ وہ اپنے سے نیچے والوں کو رزق میں بڑائی نہیں دینا چاہتے کہ وہ بھی ان کے برابر ہو جائیں لیکن حق تعالیٰ ان کو رزق دینے والے ہیں۔ اصل رزق میں دونوں برابر ہیں۔ البتہ ان کے رزق میں کیف اور کم کا فرق ہے اور صاحب کشاف مذکورہ آیت کی مراد کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق میں متفاوت رکھا ہے (اور یہ اللہ کی تکوینی حکمت ہے مگر تم تشریعی امور پر مکلّف کر دیے گئے ہو) اور تمہارے نیچے تم سے رزق میں مفضول تم جیسے انسان اور تمہارے بھائی ہیں تمہیں چاہیے کہ فاضل رزق ان کو پہنچا دو تا کہ وہ تمہارے ساتھ برابر ہو جائیں۔ اور ان کی معیشت تمہاری معیشت کے مساوی ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ نے کہا ہے کہ ارباب ثروت اپنے فاضل اموال سے ارباب احتیاج کو اپنی معیشت میں برابر کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے بھائی ہیں ان کو ایسا پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔ اور ایسا کھلاؤ جیسا تم کھاتے ہو۔ حضرت ابوذرؓ اپنے اور اپنے غلام کے اِزار اور رِداء میں فرق نہیں کرتے تھے (روح المعانی سورۃ النحل ص ۱۷۲)

سورۃ حم سجدہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ''وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ اَقْوَاتَهَا فِيۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ ۝'' (اور رکھے ہیں اس میں زمین میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی چار دن میں برابر ہے پوچھنے والوں کو) (سورۃ حم سجدہ آیت نمبر ۱۰)

اللہ نے زمین کے اندر قسم قسم کی کانیں وغیرہ رکھی ہیں اور معیشت کے طرح طرح کے ذرائع زمین سے نکلتے ہیں۔ اور زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں خاص اندازے اور حکمت سے زمین کے اندر رکھ دی ہیں اور ہر ملک کے باشندوں کے طبائع اور ضروریات کے مطابق ان کی خوراکیں زمین کے اندر سے مہیا کر دی ہیں۔ اور زمین کے اندر خدا کی یہ معیشت کی ودیعتیں تمام حاجتمندوں کی تکمیل حاجات کے لیے برابر ہیں۔ ہر ایک ضرورت مند کو خدا کی ودیعتوں سے استفادہ کرنے میں برابر کا حق دیا گیا ہے۔ روح المعانی میں سورۃ حم سجدہ کی تفسیر میں

ص ۹۷ پر بعض اہل علم سے مذکورہ آیت کی یہی تفسیر مذکور ہے جو میں نے لکھ دی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں زمین میں ودیعت کی ہوئی خوراکیں سب کے لیے برابر ہیں اور تمام حاجتمندوں کو زمین سے استفادہ کرنے کا مساوی حق دیا گیا ہے اور اس آیت کی یہ تفسیر سورۃ ابراہیم میں مذکورہ آیت کے مشابہہ اور موافق ہے۔ سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔'' **اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ج وَسَخَّرَلَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ج وَسَخَّرَلَکُمُ الْاَنْھٰرَ ج وَسَخَّرَلَکُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ج وَسَخَّرَلَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ج وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْہُ ط** (اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا۔ پھر اس سے تمہارے کھانے کو پھل نکالے اور کشتیاں تمہارے تابع کر دیں تاکہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی رہیں اور نہریں تمہاری تابع کر دیں اور سورج اور چاند کو تمہارے تابع کر دیا جو ہمیشہ چلنے والے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو تابع کیا اور جو چیز تم نے اس سے مانگی اس نے تمہیں دی) (سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۳۲ تا ۳۴)

غرض یہ کہ یہ تمام چیزیں تمہارے قبضہ اور تصرف میں نہیں ہیں کہ جیسے چاہو اور جدھر چاہو ان کی قدرتی حرکت اور تاثیر کو پھیر دو تاہم ان چیزوں کے اثرات سے تمہیں بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اور جن چیزوں کی تمہیں حاجت تھی اور تم نے مانگی ان میں ہر چیز کا جس قدر حصّہ اللہ کی حکمت اور مصلحت کے موافق تھا تم سب کو دیا ہے۔ بنی نوع انسان نے اپنی ضروریات اور حاجات کو اللہ سے مانگا اور حق تعالیٰ نے زمین میں انسان کی روزی ودیعت کی اور نسل انسانی کے ہر ایک فرد کو اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق اللہ کی ودیعتوں سے استفادہ کرنے کا مساوی حق دیا۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی فرد کے حق معیشت کو اس سے روک دے۔ اور اسی طرح سورۃ بقرہ کی ابتداء میں یہ ارشاد فرمایا گیا

ہے۔'' **هُوَالَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا** ق آیت نمبر ۲۹ (اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا ہے)اس آیت میں لکم کی لام تعلیل اور انتفاع کے لیے ہے۔ تمام زمین کی تمام اشیاء تمہارے لیے پیدا کی گئی ہیں تا کہ تم ان سے نفع اُٹھاؤ کل زمین سے کل افراد انسانی کو فائدہ اُٹھانے کا حق ہے۔ اگر چہ بعض زمین بعضے افراد کے لیے بلحاظ ملک اور بلحاظ انتفاع مخصوص ہوسکتی ہے۔ مثلاً کسی نے کسی زمین کو آباد کیا اور کار آمد بنالیا تو وہ زمین اس کے انتفاع کے لیے مخصوص ہے اور یہ اختصاص ا س کا ملک ہے اور اس کا خصوص انتفاع کا سبب ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (کہ جملہ اشیائے عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خلق لکم ما فی الارض جمیعا تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس ہے اور کوئی شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں بلکہ ہر شے اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے اور بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی شے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست اندازی نہیں کرسکتا ہاں خود مالک اور قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالہ کردے کیوں کہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گو زکوٰۃ ادا کردی جائے انبیاء وصلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے۔ چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعضے صحابہؓ وتابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد جمع رکھنے کو حرام ہی فرمایا۔ بہر کیف غیر مناسب اور خلاف اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں سواس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجت سے اس کی تو کوئی غرض متعلّق نہیں اور اوروں کے ملک من وجہٍ اس میں موجود ہیں تو گویا شخص مذکور من وجہ مال

غیر پر قابض اور متصرف ہے اور اس کا مال بعینہ مال غنیمت کا سا تصوّر کرنا چاہیے وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصّہ ہے کہ کل مال غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ رفع ضرورت وحصول انتفاع بقدر حاجت ہر کوئی مال مذکور سے منتفع ہوسکتا ہے۔ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو بھی معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے۔(ایضاح الادلہ ص۲۶۳)

جملہ اشیاء تمام لوگوں کے انتفاع کے لیے ہیں

حضرت شیخ الہند کی مذکورہ عبارت سے مُراد ہے کہ زمین ہو یا غیر زمین اس کی پیدائش سے حق تعالیٰ جملہ لوگوں کے حوائج کو رفع کرنا چاہتا ہے اور تمام لوگوں کے حوائج کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزیں پیدا فرمادی ہیں جن کی لوگوں کو ضرورت پڑسکتی تھی اور کوئی شخص بھی کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔آخر جب یہ مالک نہ تھا اور مالک بنتا ہے تو کیسے بنتا ہے البتہ جس قابل انتفاع چیز پر کسی کا درست قبضہ ہے تو اس کا قبضہ اس کی ملک کے لیے علت قرار دیا گیا ہے اور اگر قابض نے اپنی حاجت سے زیادہ اپنے ملک اور اپنے قبضہ میں رکھنا چاہا تو اس کی رفع حاجت سے زائد کے ملک میں اس کے ساتھ اور بھی شریک ہیں تو وہ درحقیقت ضروریات اصلیہ کے زائد سے انتفاع کرنے اور قبضہ رکھنے میں دوسروں کے ملک کو اپنے قبضہ اور ملک میں رکھنا چاہتا ہے اور ایسا کرنے کا اس کو حق نہیں دیا جاتا بلکہ اس کی حاجت سے زائد اشیاء دوسروں کی حاجات کے ارتفاع اور ضروریات کی تکمیل میں صرف کرنے پر وہ مامور فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس قوت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں تو وہ فاضل سامان کمزور کو دے دے اور جس شخص کے پاس خورد ونوش کا سامان حاجت سے زائد ہے تو وہ فاضل سامان کو نادار اور حاجتمند کو دیدے۔حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام اس طرح مختلف انواعِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کرلیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے (صحیح مسلم ج ۲۔ص ۸۱ کتاب اللقطہ)

حافظ ابن حزمؒ اس حدیث کو روایت کر کے لکھتے ہیں ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے جس امر کی خبر دے رہے ہیں اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے اندازہ ہوجاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور دولتمندوں کی فاضل دولت کو لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا اور حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حالت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کردیا ہے پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلاء ہوں گے تو وہ محض اس لیے کہ اہل ثروت اپنا لازم حق نہیں ادا کرتے اور اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا اور ان کو عذاب دے گا (المحلی ج ۶۔ص ۱۵۸)

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ ارشاد اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے فاضل اموال جمع کرنے اور خزانہ بنانے اور دولت مند بننے کے لیے نہیں ہیں بلکہ فاضل اموال کو حاجت مندوں کی ضروریات میں صرف کرنے پر اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنّت نے دولتمندوں کو مامور فرمایا ہے اور مسلمان فرمانروا کا یہ فرض اور ذمہّ داری ہے کہ دولتمندوں کے فاضل اموال کو حاجتمندوں کی ضروریات پر تقسیم کردے۔

چنانچہ حافظ ابن حزمؒ لکھتے ہیں "اور ہر ایک بستی کے دولتمندوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ فقراء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور ملک کا سربراہ فرمانروا دولتمندوں کو فقراء کی معاشی زندگی کی کفالت کے لیے مجبور کرے اگر بیت المال کی آمدنی ان کی معاشی کفالت نہیں کرسکتی تو مسلمان بادشاہ کو یہ حق حاصل ہے کہ دولتمندوں کو فقراء کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنے اموال سے خرچ کرنے پر مجبور کردے۔ فقراء کے اسباب زندگی میں کم از کم اتنا انتظام ضروری

ہے کہ ان کے لیے ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو اور سردی اور گرمی دونوں موسموں کے لحاظ سے گرمی اور سردی کا لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش گرمی اور دھوپ اور سیلاب سے محفوظ رکھے'' (المحلی ج ٦۔ص ١٥٦)

اقتصادی اور معاشی درجات

اسلام کسی ایک طبقہ میں دولت کے محصور ہو جانے اور بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانے کو روکتا ہے مگر اس کے ساتھ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد اور طبقات کی یکسانیت کو بھی ضروری اور لازم تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسلام اقتصادی اور معیشتی درجات کو قدرتی تسلیم کرتا ہے۔ معیشت میں درجات کا تفاوت فطری ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ سب کے لیے سامان معیشت ایک ہی طرح کا ہو اور اس تفاوت درجات کے باوجود اسلام ایسی معیشت کو قائم نہیں کرتا کہ وہ انسانوں کو ایسے دو طبقوں میں تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسروں کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن جائے۔ معیشت کے درجات کا تفاوت تکوینی امر ہے اس کا تعلّق صرف اللہ کی ذات احدیت ہی کے ساتھ ہے اور کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور ہم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ نظام تکوینی میں کسی کے لیے کیا ہے اور نہ اس علم کا ہم کو مکلّف بنایا گیا ہے ہمیں اللہ کے نظام تشریعی سے سرتاسر تعلّق ہے اور اسی پر ہم مکلّف بنائے گئے ہیں اور اس کے اعتصام کرنے پر ہم مامور ہیں اور ہم اس نظام تشریعی کے دائرہ میں رہ کر معاشی نظام سے بحث کرتے ہیں۔ لہٰذا درجات معیشت میں تفاوت کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا ہے کہ اسلام نے امارت اور غربت کے تفاوت درجات میں ایسا نظام قائم کرنا چاہا ہے کہ تمام ثروت و دولت امیروں کے ہاتھ میں آجائے اور کروڑوں انسان فقیر اور محتاج بن کر زندگانی پوری کریں اور اسلام اقتصادی اور معیشتی درجات کے تفاوت کو اس لیے فطری قرار دیتا ہے کہ تزاحم اور تنافس جسمانی دماغی استعداد کا اختلاف اور قدرتی قوتوں کے ابھرنے

اور ترقی پانے کے محرک وجدان قدرتی ہے اس لیے اسلام نے انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرتے ہوئے اجازت دی ہے کہ جس قدر حلال ذریعہ کی کمائی ممکن ہوسکتی ہے کمائی کی جائے اور دولت حاصل کی جائے مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ کمانے والا صرف اپنے لیے کما رہا ہے بلکہ اس کی تمام کمائی تمام انسانی افراد کے لیے ہے اور ایسے دولتمند کی دولت کو اسلام نے تمام ملت کا محمود سرمایہ بنانے کا ذریعہ بتلایا ہے۔ اگرچہ اسلام کے اس نظام میں بڑے بڑے کروڑ پتی پیدا نہ ہوں مگر اس کے ساتھ مفلس اور محتاج طبقے بھی پیدا نہ ہونگے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے۔ لکھتے ہیں'' (قرآن وسنّت کی تعلیمات اور صحابہ کرامؓ کی عملی زندگی کے مطالعہ کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہوگیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکتناز کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اسلام نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہوجائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بنیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہوجائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے نہ مفلس محتاج طبقے۔ ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہوجائیگی بلا شبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہونگے کیونکہ سعی وکسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائیگی اتنی ہی زیادہ جماعت بحیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے لیکن صرف اپنے ہی لیے نہیں کمائیں گے تمام افراد قوم کے لیے کمائیں گے۔ یہ صورت پیدا نہ ہوسکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی ومفلسی کا پیام ہوجائے جیسا کہ اب عام طور پر ہورہا ہے۔ (ترجمان القرآن ج ۲۔ ص ۱۳۱۔۱۳۲)

اسلام نے جس طرح کا معاشی اجتماعی نظام قائم کرنا چاہا ہے اس طرح کے دولتمندوں کی دولت سے کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے اور کسی طرح مذموم بھی نہیں ہے بلکہ اس

طرح کی دولت اللہ کا فضل اور عامۃ المسلمین کا معتمد اور محمود سرمایہ ہے۔قرآن شریف نے ارشاد فرمایا ہے! **نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَہُمۡ مَّعِیۡشَتَہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَہُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُہُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا** ط (ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی ان کی زندگانی میں اور بلند کردیے درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو خدمتگار) (سورۃ الزخرف آیت نمبر ۳۲)

حق تعالیٰ نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیر کردیا ہے اور کسی کو تابع اور کسی کو متبوع اور اس میں اللہ کی یہ حکمت ہے کہ دنیا کی زندگانی کا انتظام باہمی اشتراک اور روابط کے بغیر نہیں چل سکتا ہے۔اگر کسی محتاج کو کسی امیر سے رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے تو کوئی امیر بھی اس طرح کے روابط سے بے نیاز نہیں ہوسکتا قرآن شریف نے ارشاد فرمایا! ''**وَھُوَالَّذِی جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَآ اٰتٰکُمۡ** ط (اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں اور بُلند کردیے تم میں درجے ایک کے ایک پر تاکہ آزمائے تم کو اپنے دیے ہوئے حکموں میں (سورۃ انعام آیت نمبر ۱۶۵)

قرآن شریف اس آیت میں دو باتوں کا صراحت کے ساتھ ذکر کرتا ہے پہلی بات یہ کہ انسانوں کو باہم ایک دوسرے کا نائب بنایا ہے کہ ایک جاتا ہے تو دوسرا اس کا نائب یا جانشین ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے باہم فرق مدارج رکھا انسانی مدارج معیشت میں پستی بھی ہے اور بلندی بھی تاکہ انسان کے عمل اور تصرف کے لیے آزمائش کی حالت پیدا ہوجائے اور ہر فرد وگروہ کو موقع دیا جائے کہ اپنی محنت اور سعی میں جو بھی درجہ حاصل کرسکتا ہے کرے اور اس کے عمل سے اس کی جزا وابستہ ہے۔کوئی بھی جس طرح کے اعمال کرے گا اس طرح کے نتائج کو دیکھے گا اور یہ کہ غنی حالت غنیٰ میں رہ کر کہاں تک اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے اور فقیر حالتِ فقر میں رہ کر کہاں تک صبر کا ثبوت دیتا ہے۔ قرآن شریف کے اس ارشاد میں کہ انسانوں میں جانشینی کا سلسلہ جاری ہے کہ ایک فرد یا

گروہ دوسرے فرد یا گروہ کی جگہ بیٹھتا ہے اور پہلے کے کسب اور سعی کا وارث ہوتا ہے۔ بین دلیل ہے کہ قرآن شریف انفرادی ملکیت کے تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اقتصاد اور معیشت میں مساوات کو قائم نہیں رکھتا بلکہ اس میں تفاوت رکھتا ہے۔ جب ایک شخص کی آنکھیں بند ہو گئیں اور اس کی دولت جو تنہا اس کے لیے تھی اور ایک جگہ تھی وارثوں میں بٹ گئی اور تقسیم و سہام کے قانون کے مطابق کئی جگہوں میں پھیل جائیگی اگر قرآن شریف کے اصول میں انفرادی ملکیت کا اصل قائم نہ ہوتا تو مورث کے جائز وارثوں میں قرآن شریف کے قانون کے مطابق مورث کی میراث تقسیم نہ ہوتی اور ان میں بھی ہر وارث کے الگ الگ وارث ہوں گے اور یہ دولت ہمیشہ گردش میں رہے گی تا کہ وہ کسی ایک فرد اور خاندان کے لیے مخصوص نہ رہے اور سہام کا قانون قرآن شریف نے اس طرح رکھا ہے کہ سب وارثوں کو برابر کا حصّہ نہیں دیتا کسی کا حق زیادہ رکھا ہے اور کسی کا کم۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ انسانی زندگی معیشت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہے بلکہ مدارج معیشت کے اعتبار سے اس میں فرق اور تفاوت ہے۔

معیشت کی فراخی اور تنگی اللہ کی مشیّت ہے

رازق حقیقی اللہ ہے۔ رزق کے تمام اسباب اس کے ہیں۔ رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیّت ہے۔ انسان کا فرض اور وظیفہ صرف اس کی سعی اور کسب ہے مگر نتائج اور ثمرات کسی کے ہاتھ اور اختیار میں نہیں ہیں۔ رزق کی کمی اور بیشی اللہ کی حکیمانہ مرضی پر موقوف ہے۔ رب حکیم جس کو چاہتا ہے اس کے کسب اور سعی میں زیادہ ثمرات عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کے مناسب اندازہ سے دیتا ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے! ''**قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ط وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ** ج (آپ فرما دیجئے میرا رب ہے جو کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور ناپ کر دیتا ہے جس کو چاہے اور جو

خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے)(سورۃ سبا آیت نمبر ۳۹) اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جس کو جتنا دینا چاہے وہ اس کو پہنچ کر رہے گا اور جو خرچ کرنے والے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ان کے خرچ کرنے سے اور نہ کرنے سے اس میں فرق نہیں پڑتا بلکہ جس قدر بھی وجوہ خیر میں خرچ کیا جائے گا اسی قدر اس میں اضافہ ہوگا اور اس میں برکت ہوگی۔قرآن شریف میں ارشاد ہے!''**هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** صلے ز،،(کیا کوئی ہے بنانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ)(سورۃ فاطر آیت نمبر ۳)

اللہ کے سوا کوئی دوسرا روزی دینے والا نہیں ہے اللہ ہی ہے جو روزی کے سامان بہم پہنچاتا ہے اور زندہ رکھتا ہے۔قرآن شریف میں ارشاد ہے۔! **اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ** o (اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے اور فریفتہ ہے دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر حقیر متاع)(سورۃ الرعد آیت نمبر ۲۶)

رزق کو اللہ ہی تنگ اور کشادہ کرتا ہے اور دنیا کی عیش اور فراخی مقصود سمجھ کر اس پر اترانا اور اکڑنا نہیں چاہیے بلکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی محض ہیچ ہے۔دنیا آخرت کا کھیت ہے۔بذات خود مقصود نہیں ۔دنیا کے تمام سامانوں سے اس طرح فائدہ اُٹھاؤ جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنے۔رزق کے وسیع کرنے میں کوئی بھی عقل دوڑانے اور تدبیر کرنے میں کمی نہیں کرتا مگر کسی کی روزی کشادہ ہے اور کسی کی تنگ۔یہ تقسیم رازقِ حقیقی کی حکمت اور مصلحت کے تابع اور اس کے ہاتھ میں ہے۔کسی انسان کو قرآن شریف کے اس نظریہ میں شک نہیں کہ قرآن شریف رزق اور معیشت کی تقسیم کو اللہ کی حکیمانہ تقسیم پر قرار دیتا ہے اور یہ اللہ کے تکوینی امور میں سے ایک امر ہے جس سے نہ بحث کی جاسکتی ہے اور نہ اس کے بتائے بغیر اس کی حقیقت دریافت ہوسکتی ہے۔ہمارا تمام تر تعلّق اللہ کے تشریعی

امور سے ہے اور ہمیں اللہ کے ان احکام کی تعمیل کرنی لازم ہے جن کی تعمیل کرنے پر اللہ کی کتاب نے ہمیں مامور فرمایا ہے۔

بسط اور تقدیر کی حکمت

رزق کی فراخی اور تنگی میں قرآن شریف نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اگر لوگوں کو بے اندازہ روزی دے کر خوش عیش رکھا جاتا تو لوگ طغیان اور تمرد کی راہ اختیار کرتے نہ خُدا کے سامنے جُھکتے نہ خُدا کی مخلوق کو خاطر میں لاتے اور صرف یہ تمنّا کرتے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں حرص زیادہ بڑھ جاتا اور قناعت ہرگز نہ کرتے اور عام غنٰی اور خوشحالی کی صورت میں عام اور زبردست تصادم ہوتا اور کسی کو کسی سے دبنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہتی اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا مقتضٰی یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو جانچ تول کر دیا جائے۔ رب مخلوق کو خوب جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت صالح ہے ہاں اگر اللہ کے کسی مامور کی نگرانی میں عام خوشحالی اور فارغ البالی کے باوجود باہمی آویزش اور طغیان و سرکشی کی نوبت نہ آئے تو وہ اس عادی قاعدہ سے مستثنٰی ہوگا۔ اسلام کی اس بنیادی حقیقت کہ عالم تکوین اور عالم تشریع میں فرق ہے جن صاحبوں نے فراموش کر دیا ہے وہ اصل حقیقت تک نہیں پہنچے اور جن حضرات کے سامنے اسلام کی مذکورہ بنیادی حقیقت موجود ہے ان کو قرآن شریف کے مذکورہ بیان میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ درجات معیشت کا تفاوت اللہ کا تکوینی امر اپنی جگہ حق اور راست ہے اور حق معیشت میں تمام افراد انسانی کا مساوی حق رکھنا اپنی جگہ درست ہے اور یہ اللہ کا تکوینی امر ہے جس کی تعمیل پر ہمیں قرآن و سنّت نے مامور فرمایا ہے۔ قرآن شریف نے ہم سے تمام احوال اور اوقات میں اہل حاجات کے مصارف میں انفاق مال کا مطالبہ کیا ہے اور اس کے عوض میں دولت کی بیشی اور اضافہ اجر اور اطمینان کا وعدہ دیتا ہے اور قرآن شریف کے اوّلین مخاطب حاملین اسلام حضرات صحابہؓ کا عہد

نبویؐ اور اپنے زمانہ میں اس طرح عمل رہا ہے جس طرح کہ قرآن اور سنّت نے ان کو پڑھایا اور بتایا تھا کہ جن کے درجات معیشت بلند ہیں ان کا یہ فرض ہے کہ ایسے حضرات کی ضروریات کو اپنی دولت سے پورا کریں جن کے درجات معیشت پست ہیں۔

حافظ ابن حزمؒ حدیث اور آثار کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''اس بات پر صحابہؓ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا ضروریات رہائش سے محروم ہے تو مالدار کے فاضل مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور تین سو دوسرے صحابہؓ سے یہ صحیح ثابت ہے کہ ان کا سامان خورد ونوش ختم کے قریب پہنچا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کرو سب نے خورد ونوش کا سامان جمع کیا اور حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کے کھانے کو سب میں برابر تقسیم کر دیا۔ حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں یہ صحابہؓ کا یقینی اجماع ہے ان میں سے کسی ایک صحابیؓ نے بھی مخالفت نہیں کی۔ (المحلی ج۶۔ص ۱۵۸)

حضرت ابوطلحہؓ انصار میں متمول صحابی تھے اور آپ کے اموال میں بیر حاء سب سے زیادہ پسندیدہ مال تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی! ''لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ط۵ (ہرگز نہ حاصل کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ) (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۹۲)

تو حضرت ابوطلحہؓ نے رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا میرے تمام اموال میں مجھے سب سے زیادہ یہ مرغوب مال ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرتا ہوں، اللہ کے رسول ﷺ! جہاں آپ کو رب بتلائے صرف کیجئے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ کے اس مخلصانہ ایثار پر اظہار مسّرت فرماتے ہوئے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کو اپنے اقارب اور رشتہ داروں میں تقسیم کریں۔ حضرت ابوطلحہؓ نے حضور ﷺ کے ارشاد کو تسلیم کیا اور بیر حاء کو اپنے اقارب اور بنی اعمام میں تقسیم کر دیا (صحیح بخاری مسند امام احمد)

سیّد سمہودیؒ بیر حاء کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ایک باغ تھا جس میں رسالت مآب ﷺ تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کنویں سے پانی تناول فرماتے تھے اور درختوں کے سایہ میں آرام فرماتے تھے اور حضرت ابو طلحہؓ نے اس مرغوب مال کو رسالت مآب ﷺ کے لیے وقف کرنا چاہا تو رسالت مآب ﷺ نے آپ کو فرمایا، مَیں نے تم سے قبول کرلیا اور تمہیں واپس کر دیا۔ تم اسے اپنے اقارب اور رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے حضور کے حسب ارشاد اپنے اقارب حضرت ابی بن کعبؓ حضرت حسان بن ثابتؓ حضرات ابن جابرؓ شداد ابن اوسؓ یا اوس ابن ثابتؓ پر تقسیم کر دیا اور حضرت حسانؓ نے اپنا حصہ حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ روپیہ کو بیچا۔ (وفاء الوفاء ج ۳۔ ص ۹۶۲۔۹۶۳)

یہ حضرات صحابہؓ ہیں اور ان کے توسط سے اللہ تعالیٰ نے اپنا دین ہم تک پہنچانا اور سکھلانا چاہا ہے۔ حضرات صحابہؓ کے صرف یہ نظریات نہیں تھے بلکہ ان کا عمل تھا کہ جن حضرات کی معیشت میں بلندی تھی انہوں نے ایسے حضرات کو حق معیشت میں برابر اور مساوی کر دیا تھا اور کرنا چاہتے تھے جن کی معیشت کے درجات پست تھے اور اسلام کا یہی اجتماعی معیشت کا نظام ہے جس کو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنّت نے قائم کیا اور صحابہؓ نے بعد میں آنے والوں تک پہنچایا۔

تنبیہ

اسلام نے معاشرتی ناانصافی اور اقتصادی استحصال کے خلاف آواز بلند کی اور انسانیت کی وحدت اجتماعی اور اقتصادی انصاف کی طرف دعوت دی۔ معاشرہ کے تمام مرضوں کا علاج بتلایا۔ اسلام نے نیا معاشرہ پیدا کیا اور انسانی نظام کا راستہ بدلا اور اسلام کا یہ سب کچھ حق تعالیٰ کی حکیمانہ تعلیم اور ہدایت ہے جن میں ماضی کے کسی فکر و نظر کا دخل نہیں

اور نہ مستقبل میں افکار کے لیے جگہ ہے مگر جو لوگ اسلام کے معاشی نظام سے دُور اور بے بہرہ ہیں اور اسلام کو اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کے سُنن میں نہیں سمجھنا چاہتے بلکہ مسلمانوں کے طرز و کردار کو اسلام قرار دیتے ہیں، ان کو یہ فاسد خیال یہ فریب دیتا ہے کہ جس نظام میں قابل نفرت حد تک امارت اور غربت کا تفاوت نظر آتا ہے وہ اسلام کا معاشی نظام ہے اور جب حاملین اسلام سے کتاب اور سنّت کے مفہوم میں اسلام کے معاشی نظام کا نقشہ سنتے ہیں تو طرح طرح کی گمراہ کن باتیں کرتے ہیں۔ کبھی حاملین اسلام کی اس ترجمانی کو جدید کوشش کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور کبھی یہ الزام لگاتے ہیں کہ وقت کے رجحانات اور تقاضوں کے سامنے اسلام نے سپر ڈال دیا ہے اور حاملین اسلام کتاب اور سنّت کے احکام کو تحریف و تبدیلی کی شکل میں پیش کرتے ہیں لیکن یہ تمام شیطانی وساوس ہیں۔ اسلام وقت کے رجحانات اور تقاضوں سے ہرگز متاثر نہیں ہوتا اور کسی قوت اور کسی فکر و نظر سے آج تک اسلام سپر ڈالنے پر مجبور نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ اسلام وحیٔ الٰہی کی تعلیمات کا حامل ہے۔ اس کے پیش نظر صرف یہ ایک مقصد ہے کہ وہ خدا کی مخلوق کو خدا کی وحی پر چلائے۔ کسی قوم اور کسی گروپ کی مخالفت اور موافقت میں اللہ کی وحی سے کسی وقت بھی اسلام پہلو تہی نہیں کرتا۔ مارکس وغیرہ اشتراکی اہل نظر نے کسی جدید اصلاحی تعمیر کی ابتداء نہیں کی ہے بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کے استبداد اور مظالم سے تنگ آ کر اس کو توڑنے اور تباہ کرنے اور اس کی غلامی سے باہر نکلنے کے لیے جو کچھ سوچا اور روا رکھا کر لیا ہے۔ اسلام اپنے اصول اور مسائل میں اشتراکیت کے اصول اور مسائل سے اتفاق نہیں کرتا۔ اسلام کا نظام اشتراکی نظام سے دُور اور الگ ہے اس لیے یہ بہت بڑا بہتان ہے کہ اشتراکیت کو اسلام کا نام دیا جائے یا اشتراکیت کی راہ پر اسلام کو چلانے والا بتلایا جائے اس قسم کے دعوؤں کی صرف اتنی حقیقت ہے کہ ایسا کہنے والے اسلام کے حقائق سے نا آشنا اور بے خبر ہیں۔ اسلام کسی دولتمند کی دولت کو غریبوں کی غربت میں اضافہ کرنے کا حق نہیں دیتا بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ دولت اللہ

کی امانت ہے جو اجتماعی نظام کے تحت غربت اور احتیاج کے ختم کرنے کے لیے استعمال ہونی چاہیے۔ حاملین اسلام کسی غیر مسلم کے فکر ونظر سے مرعوب ہو کر آج اسلام کے اُصول اور مسائل کی نئی تعبیر نہیں کرتے بلکہ وہ اسلام کا بنیادی اور اساسی نظام ہے جو حاملین اسلام کی زبان پر اور کتاب وسنّت کی نصوص میں آج تک محفوظ اور منضبط چلا آرہا ہے۔ اسلام اپنے معاشی نظام میں قوموں کے مراسم کی طرف التفات نہیں کرتا اور نہ کسی فرد کی قوت کسب واستعداد پر اس طرح کی پابندی عائد کرتا ہے کہ اس کی اعلیٰ اور بلند استعداد کو زائل یا معطّل کردے۔ اسلام اپنے نظام میں ایسے اصول قائم کرتا ہے اور سرمایہ دارانہ استبداد کی طرح اشتراکی نظام کو بھی مسترد کرتا ہے۔ اسلام صرف اس نظام کو قائم کرتا ہے جس کو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے توسط سے اپنی مخلوق کو دینا چاہا۔ اسلام کو مغرب یا مشرق کے مفکرین کے افکار اور نظریات کا پاس نہیں ہے۔ اسلام صرف اپنے مقاصد کو خُدا کی مخلوق میں نافذ کرنا چاہتا ہے اس کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ کی زبانی سُنیے۔

پیغمبرانہ مقاصد

''حضرت شاہ صاحبؒ باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم'' میں لکھتے ہیں

تو اب سمجھنا چاہیے کہ انبیاء کی بعثت اگرچہ اوّلاً و بالذّات عبادت کے طریقوں کی تعلیم دینے کے لیے ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ارادہ بھی شامل ہوتا ہے کہ فاسد رسوم کو مٹا دیا جائے اور ارتفاقات تدابیر کے طریقوں کی رغبت دلائی جائے۔ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے۔ "میں لہو ولعب کو مٹانے کے لیے مبعوث ہوا ہوں"

(بُعِثْتُ لمحق المعازف والمزامیر)

ترجمہ۔ مجھے آلات موسیقی مٹانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

(شعب الایمان جلد ۵۔ صفحہ نمبر ۲۴۳۔ حدیث نمبر ۶۵۲۹)

"اور ارشاد فرمایا میں مکارم اخلاق کے پورا کرنے کو بھیجا گیا ہوں" (**اِنَّمَا بُعِثۡتُ لِاُتمم مکارم الاخلاق** ۔ ترجمہ: مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔
سنن کبریٰ للبیھقی ج ۱۰۔ص ۱۹۲)

واضح ہو کہ نہ تو خدا تعالیٰ کی مرضی اس میں ہے کہ تدابیر دوم وسوم جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے متروک کردی جائیں اور نہ انبیاءؑ میں سے ایسا حکم کسی نے کیا ہے اور معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ بعضے لوگوں نے سمجھا ہے جو پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے ہیں اور بھلائی بُرائی میں انہوں نے لوگوں سے میل جول بالکل ترک کردیا ہے اور وحشیوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ اسی واسطے حضور پاک ﷺ نے اس شخص کا رد فرمایا جس نے عورتوں سے کنارہ کشی چاہی تھی اور فرمادیا ''میں رہبانیت سکھلانے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں'' **وَلَمۡ اُبۡعَثۡ بِالرّھۡبَانِیَّۃ** ۔ترجمہ: مجھے رہبانیت دیکر نہیں بھیجا گیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۷۷۱۵)

بلکہ میں تو ایک پاک اور آسان دین کی طرف مبعوث ہوا ہوں البتّہ انبیاءؑ تدابیر و منافع میں میانہ روی کا حکم دیتے تھے کہ نہ تو عیش و آرام میں مستغرق لوگوں کی حالت سلاطین عجم کی سی ہو اور نہ یہ کہ لوگوں کی زندگی پہاڑی باشندوں کی سی ہو جو وحشیوں سے ملتی جلتی ہے۔ اس موقع پر دو قیاس باہم متعارض ہیں ایک یہ کہ خوش حالی آسودگی اور آرام سے بسر کرنا عمدہ بات ہے جس سے مزاج صحیح ہوتا ہے۔ اخلاق درست ہوتے ہیں اور وہ اوصاف ظاہر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انسان اپنے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہے۔ اور عاجزی وغیرہ اوصاف سوء تدبیر سے پیدا ہوتے ہیں دوسرا قیاس یہ ہے کہ آسُودگی بُری چیز ہے۔ اس سے باہمی نزاع پیدا ہوتا ہے تکالیف جھیلنی پڑتی ہیں۔ اخروی تدابیر کو آسودگی کی وجہ سے لوگ ترک کردیتے ہیں۔ اسی واسطے پسندیدہ عمل درمیانہ حالت ہے اور یہ کہ تدابیر کو باقی رکھیں اور ان کے ساتھ اذکار اور آداب کو ملائیں اور عالم جبروت کی جانب متوجّہ ہونے کے لیے فرصت کے متلاشی رہیں۔ اس باب میں تمام انبیاء نے جو قانون خدا کی جانب سے لوگوں

کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ لوگوں کی حالت دیکھنی چاہیے۔ان کے کھانے پینے کے آداب ،لباس ،تعمیر اور آرائش کے اسباب کیا ہیں۔ان میں نکاح کا طریقہ کیا ہے اور زن و شوہر کس طرح باہم پیش آتے ہیں،وہ باہمی خرید و فروخت کس طرح کرتے ہیں ۔جرائم سے باز رکھنے کے لیے کیا کیا تعزیرات ہیں،مقدمات کا فیصلہ کس طرح کرتے ہیں ،پس اگر یہ امور رائے کلی کے مطابق اور مناسب ہوں تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی بے معنی ہے بلکہ لوگوں کو ان کی پابندی پر اور زیادہ آمادہ کرنا چاہیے اور ان میں ان کی رائے کو درست کہنا اور ان امور کی مصلحتیں بیان کر دینا چاہئیں اور اگر وہ امور رائے کلی کے موافق نہ ہوں اور ان امور میں اس وجہ سے تبدیلی کی ضرورت پیش آئے کہ ان کے سبب سے ایک شخص دوسرے کے لیے ایذا رساں ہوسکتا ہو یا دنیوی لذّات میں ان کی وجہ سے زیادہ انہماک ہو یا ان کی وجہ سے آخرت اور اچھی باتوں سے اعراض ہوتا ہو یا ان کی وجہ سے بے غمی پیدا ہوتی ہو جن سے دنیا اور آخرت کی مصلحتیں فوت ہوتی ہوں یا اس طرح کی کوئی اور بات پیش آتی ہو تو اس وقت ضروری ہے کہ ان امور کی تبدیلی ایسی صورت میں کرنی چاہیے جو لوگوں کے مالوف کے بالکل مخالف نہ ہو بلکہ ایسے نظائر میں ان کو تبدیل کرنا چاہیے جو لوگوں میں شائع ہوں یا ایسے نظائر کی جانب ان کو بدلیں جو ایسے صالحین میں مشہور ہوں جن کی بھلائی کی لوگوں کی زبان شہادت دے رہی ہو (حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مراد یہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام کا اخلاقی اور مذہبی نظام سے گہرا تعلّق ہے۔اس لیے کہ انبیاءؑ نے عبادت کے طریقوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تدابیر کے طریقوں کی تعلیم کی بھی ترغیب دی ہے۔اور رہبانیت کو اسلام نے روکا ہے اور اس کو اخلاقی حیثیت نہیں دی۔اسلام نے دولت اور ثروت کو ایسی حیثیت میں نہیں رکھا جیسے کہ عجمی بادشاہوں کے ہاں تھی،اور اسلام ایسی معشیت کو بھی پسند نہیں کرتا جو دہقانیوں وحشیوں اور درندوں کی طرح ہوتی ہے اور مسلمانوں میں ایسے امور کا وجود بھی پسند نہیں کرتا

جو باہمی مناقشات اور بغض وحسد اور آخرت کے ذکر اور روحانی زندگی سے غفلت اور دولت میں تعصب اور حریصانہ کدو کاوش کا سبب بنتے ہیں۔ اسلام ایسے امور کو ضرور بدلنا چاہتا ہے مگر ان کی تبدیلی کا نظام ایسا ہونا چاہیے کہ وہ اسلام کے مناسب بھی ہوں اور لوگوں کے مالوف کے بالکل مخالف نہ ہوں اور رائے کلی اس کو قبول اور تسلیم کرتی ہے۔ یا وہ نظام ایسے صالحین کے نظائر ہیں جن سے لوگوں کو عقیدت ہے اور ان کی بھلائی اور نیکی پر عام لوگوں کی زبانیں شہادت دیتی ہیں۔ اگر کسی رائج امر میں وقت کے رجحان اور حالات کے تقاضے کے باعث بدلنے کی مجبوری پیش آ گئی ہے تو اس کو ایسے دوسرے امر میں تبدیل کیا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے امر کی طرح رائے کلی کے مطابق اور مناسب ہو اور کسی ایسے فقیہہ اور مجتہد کا مسلک بھی ہو جس کے ساتھ لوگوں کو عقیدت ہو اور اس کے علم و اجتہاد اور فقہی دیانت پر لوگ شہادت دیتے ہوں۔ جیسا کہ مفقود اور دوسرے بعضے مسائل میں علماء نے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر شدید ضرورت کی بنا پر دوسرے ائمہ مجتہدین کے مسلک کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن کسی گروہ اور طبقہ کی پسند اور خواہش یا تقلید میں کوئی رائج امر تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ایسے ارباب ھویٰ کی رائے میں کوئی فقہی امر تبدیل کیا جا سکتا ہے جن کے ساتھ عوام کو عقیدت نہیں ہے اور علم و اجتہاد میں ان کی استعداد اور اہلیت پر اہل علم شہادت نہیں دیتے۔

قابل تبدیلی امور

ہمیشہ اور ہر دور میں ایسے خود غرض اور خود پسند افراد ضرور ہوتے ہیں کہ اپنی رعونت باقی رکھنے اور ناپسندیدہ استبدادی مفاد حاصل کرنے کے لیے ایسے امور کو لوگوں میں شائع کرتے اور رواج دیتے ہیں جن کو لوگوں نے بامر مجبوری تسلیم کر لیا کہ ان کے لیے کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا مگر ایسے امور فاسد معاش اور معاشرہ کے قیام کا باعث بنے ایسے مفاسد کو اس طرح کی اصلاحات میں تبدیل کرنا چاہیے جن سے عوام کی معیشت صالح اور متوازن ہوتی

ہے اور اگر ایسے امور اس طرح بدل دیئے گئے کہ ان کی تبدیلی نے کچھ اچھے نتائج پیدا نہیں کیے تو ایسی تبدیلی سے بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ جیسے ہمارے دور کی زرعی اصلاحات جن سے نہ تو ان کسانوں کی تقدیر بدلی جن کے پاس زمین نہ تھی اور نہ بڑے بڑے زمینداروں کے جبر اور رسوخ میں کمی آئی ہے بلکہ ان کی ظالمانہ دست درازیوں سے عوام آج تک نالاں ہیں اور بعضے دوسرے امور میں بھی ایسی تبدیلی کی گئی جن کے بدنتائج نے مسلمانوں کو بدترین قسم کی برائیوں کی طرف دھکیلا ہے اور جو چیزیں کتاب اور سنّت میں حرام تھیں۔ ایسی تبدیلیوں نے قانون کی نگاہ میں ان کو جرم اور معصیت میں باقی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ایسے رائج امور کی نشاندہی کی ہے جن کی تبدیلی ضروری تھی اور پیغمبر ﷺ نے ایسے امور اور ان کے اسباب کو تبدیل کیا ہے جنھوں نے خدا کی مخلوق میں ضرر رساں اسباب پیدا کیے اس لیے شاہ ولی اللہ کی دوسری عبارت بھی میں اس موقع پر نقل کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ''جاننا چاہیے کہ ایران اور روم میں سالہا سال سے سلطنت چلی آئی تھی وہ دنیوی لذّتوں میں غرق ہوگئے، دارِ آخرت کو بھول گئے اور شیطان ان پر غالب آگیا۔ وہ معیشت کے اسباب پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہوگئے اور ان اسباب پر فخر کرنے لگے۔ اطرافِ عالم سے حکماء کی ان کے پاس آمد و رفت رہی۔ یہ لوگ معاش کے دقائق اور کارآمد باتیں مستنبط کرتے رہے پس ہمیشہ وہ ان امور پر عملدرآمد کرتے رہے۔ ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ یہ رواج ہوگیا کہ اگر ان کے سرداروں میں کسی سردار کے پاس لاکھوں درہم کا قیمتی تاج نہ ہوتا، بلند و بالا محل اور باغ نہ ہوتے، کھانے اور پینے میں فراغ دستی نہ ہوتی تھی اور لباس میں تجمل نہ ہوتا تھا تو اس پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ ایسے ہی بہت سے امور تھے جن کا ذکر کرنا طوالت ہے۔ پس یہ تکلّفات ان کے اصول معاش میں اس طرح پیوست ہوگئے کہ اگر ان کے دلوں کو ریزہ ریزہ کردیا جاتا تو یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہ تھیں اور اس سے

ایک سخت مرض پیدا ہوا جو شہر کے ایک ایک جز میں سرایت کر گیا اور ایسی آفت برپا ہوئی جس سے دہقانی بچا نہ شہری، نہ غریب بچا نہ امیر بلکہ یہ عیش و آرام کی آفت ہر ایک پر غالب آ گئی تھی، اس نے ہر ایک کو تھکا دیا تھا اور ایسے مصائب اور بحثوں میں پھنسا دیا تھا جن کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ عیش و آرام زیادہ تکالیف کا باعث اس لیے ہو گیا تھا کہ جب تک بہت سا سامان صرف نہ کیا جائے یہ لطف حاصل نہیں ہو سکتا اور مال کی اتنی مقدار حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کاشتکاروں تاجروں اور پیشہ وروں پر ٹیکس لگائے جائیں ان پر سختی کی جائے اور اگر وہ ادا نہ کریں تو ان کے خلاف سخت اقدام کیا جائے اور اگر وہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں تو ان کو بمنزلہ گدھا اور بیل کے کر دیں جو آبپاشی اور اناج کی کٹائی میں استعمال کیے جاتے ہیں اور اگر ان کو ذخیرہ کیا جاتا ہے تو محض اپنے کام میں لانے کے لیے پھر ذرا بھی ان کو مشقت سے آرام نہیں دیا جاتا یہ امراء ایسے ہی گرفتار بلا ہو کر سعادت اخروی کی طرف سر بھی نہیں اُٹھا سکتے اور نہ اس مرتبہ کے قابل رہتے ہیں اور اکثر بڑی سے بڑی مملکت میں ایک شخص ایسا نہیں ہوتا جس کو دین کا اہتمام اور خیال ہو اور یہ عیش کے سامان بھی ایسے ہی لوگوں کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں جو کھانے، لباس مکانات وغیرہ کے حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور کاروبار کے ان اصول کو جن پر نظام عالم کا مدار ہے ترک کر دیتے ہیں اور عموماً جو لوگ ان سے ملتے جلتے ہیں تو وہ ان سب امور میں انہی کی نقل کرتے ہیں، ورنہ ان کو ان امراء کی خدمت میں باریابی نہ ہو اور نہ ان کے دلوں میں ان کی کچھ وقعت باقی رہے اور تمام لوگ بادشاہ کے محتاج ہوتے ہیں اس سے اپنی ضروریات کی کفالت چاہتے ہیں۔ بعضے اس وجہ سے کہ وہ لشکری اور شہر کے منتظم ہیں۔ یہ لوگ ان سرداروں کی روش تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض کے ادا کرنے کا کچھ بھی قصد نہیں کرتے صرف اپنے رسوم اور سلف کے طریقہ کو پورا کرتے ہیں۔ اور بعضے اس لیے کہ وہ شاعر ہیں جن پر انعام و اکرام کرنے کے سلاطین عادی ہوتے ہیں۔ اور بعضے اس لیے کہ وہ

درویش ہیں اور بادشاہوں کے لیے یہ زیبا نہیں کہ ان کی خبر گیری نہ کریں۔ اس واسطے یہ فرقے ایک دوسرے پر تنگی کرتے ہیں اور ان کے ذرائع معاش اس پر موقوف ہوتے ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں رہیں اور ان سے نرم کلامی اور خوشامد سے پیش آئیں۔ انہیں فنون میں ان کی فکریں ڈوبی رہتی ہیں اور ان کے اوقات ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ پس جب اشغال کی کثرت ہو جاتی ہے تو لوگوں کے دلوں میں ایک خسیس حالت پیدا ہو جاتی ہے اور عمدہ اخلاق سے اعراض کرتے ہیں۔ جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی اور یہ بیماری سخت ہو گئی تو خدا تعالیٰ اور ملائکہ مقربین نے ان پر غصہ ظاہر فرمایا اور خدا کی مرضی ہوئی کہ اس مرض کو بالکل زائل کر دے اس واسطے اس نے ایک نبی امّی ﷺ کو بھیجا جس کا عجم اور روم سے کوئی میل جول نہ تھا۔ اس نے ان کے رسوم کو بالکل اختیار نہ کیا۔ اس پیغمبرؐ کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کے لیے میزان قرار دیا ہے جس کے ذریعے ان طریقوں میں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہیں تمیز ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ نے اس سے عجمیوں کی رسموں کی مذمت بیان کرادی اور دنیوی زندگی میں مطمئن اور مستغرق ہو جانے کی قباحتیں ظاہر کرادیں اور اس پیغمبرؐ کے دل میں خُدا تعالیٰ نے یہ ڈال دیا ہے کہ وہ بڑے بڑے امور جن کے عجمی خوگر ہو گئے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے لوگوں پر حرام کر دیں مثلاً ریشمی لباس ارغوانی کپڑے پہننا سنہری اور روپہلی برتن سونے کے زیور ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں اور مکانوں پر نقش و نگار کرنا وغیرہ اور خدا تعالیٰ نے مقدر کر دیا کہ اس کی دولت سے ان کی دولتوں کا خاتمہ کر دے اور اس کی حکومت سے ان کی حکومتوں کا خاتمہ کر دے اس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہو گیا اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر نہ ہوگا" حجۃ اللہ البالغہ جلد اول باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم"

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا یہ الہامی بیان ٹھیک ہمارے حسب حال ہے ہم میں جن لوگوں نے دنیا کی تمام زندگی کو دنیا کی لذتوں اور عیش و تنعم میں گذارنے کا فیصلہ کیا وہ

آخرت سے غافل ہو گئے اور اسلام کی ڈالی ہوئی روح ان سے نکل گئی اور جن لوگوں نے عیش و تنعم میں دوسروں سے آگے نکل جانے کا قصد کیا ہے ان کا بڑا سرمایہ اور فخر صرف یہ ہے کہ وہ اپنے ہمسفروں سے اس میدان میں سبقت لے گئے ہوں ایسے لوگ مجبور ہو گئے ہیں کہ معیشت کے تمام اسباب کے فراہم کرنے پر پوری توجہ کریں اور ضروری ہو گیا ہے کہ معیشت کے اسباب کے مہیا کرنے میں ان کو اس قدر انہماک ہو جائے کہ دوسری طرف ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور آخرت کو قطعاً بھول گئے ہیں اور یہ اتنا بڑا خسارہ ہے جس کی تلافی ان کی بڑی سے بڑی دولت نہیں کر سکتی۔ہم میں جن کے پاس تعیش اور معیشت کا ان کے مناسب ضروری سامان نہیں ہے وہ طعن و تشنیع کے قابل سمجھے گئے اور اونچی سوسائٹی میں اُٹھنے بیٹھنے آنے جانے شامل ہونے کے اہل نہیں گنے جاتے اور ارباب ثروت اور امراء کے اصول معاش میں لباس اور پوشاک میں رہنے سہنے میں، کھانے اور اتارنے میں جب اس طرح کے تکلفات کی بیماری اس قدر پیوست ہوگئی کہ کسی تدبیر سے ان سے نکلنے والی نہیں اور اس طرح عالمگیر ہوگئی کہ شہری اور گنوار امیر اور غریب کوئی بھی اس سے محفوظ نہیں رہا بلکہ تکلّف اور تعیش کی آفت ہر ایک سے دست و گریبان ہے۔ایسے لوگوں میں اس آفت اور بیماری نے بے ہمتی، بے عملی اور اخلاقی پستی کو پیدا کیا ہے اور اس طرح کی پر تکلّف زندگی کا لطف بڑی دولت اور وافر سامان حاصل کیے اور صرف کیے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔اس لیے ملک کے کاشتکاروں، تاجروں، صنعت کاروں سے اپنے تکلّفات پُورے کرنے اور لطف حیات حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگانے کو ناپسندیدہ اقدام کہا جاسکتا ہے اور ان کی بے جا سختیوں سے تمام مذکورہ طبقات یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ وہ گدھوں اور بیلوں کی مانند سرمایہ دار تعیش پسندوں کی ضروریات میں کام آنے والے ہیں اور ان کی تمام محنتوں اور کوششوں کی کمائی دوسروں کے عیش میں استعمال کرنے کے لیے ہے اور اس کا لازماً یہ انجام ہوا کہ لوگ امراء اور حکومت کے محتاج ہوں اور کبھی اس نام سے کہ وہ شہری ہیں

اور شہر کے منتظم ہیں حکومت سے کفالت چاہتے ہیں اگر چہ شہر کی انتظامی آسامیوں کا انتظام کے مقاصد کو پورا کرنا ان کا مقصد نہیں ہوتا اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتے ۔ کبھی حکومت کی مدح سرائی میں اکرام وانعام سے اپنا معاش حاصل کرتے ہیں اور کبھی درویشی اور پارسائی کے لباس میں خسروانہ مراحم کی توقع رکھتے ہیں اور ایسے تاثرات کے ماحول میں صرف یہ ایک فکر باقی رہتا ہے کہ کسی طرح خوشامد اور چاپلوسی میں اپنے رفقاء سے سبقت لے جائیں اور اپنا معاش اور سرمایہ بڑھائیں ۔ ایسے ماحول نے ان میں خساست کو پیدا کیا اور عمدہ اخلاق اور محاسن عمل سے اعراض کرنے پر خوشامد پسند ذہن نے ان کو مجبور کر دیا ہے اور کوئی صالح فکر و ذہن باقی نہیں رہا اور اصلاح کی کوئی صورت بجز اس کے کوئی باقی نہیں رہ گئی ہے کہ جس ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور اصلاح کی میزان قرار دیا ہے، اس ذات بابرکات کے سنن اور تعلیم وطریق کو اپنایا جائے اور خدا کے رسول ﷺ کی تربیت حاصل کی جائے اور آپ ﷺ کی پوری اتباع اور اطاعت کا التزام کیا جائے اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی معیشت کو میزان قرار دیا جائے ،معاش کے ہر نظام کو اس میزان میں تولا جائے جو اس کے مطابق ہے وہ پسندیدہ اور صالح نظام ہے اور جو اس کے سوا اور خلاف ہو تو اُسے فاسد معیشت اور فاسد نظام قرار دیا جائے ۔ عجم اور روم کا سا تفاخر اور نمائش کے اسباب روک دِیے جائیں اور ان جیسے تکلفات موقوف کیے جائیں ۔ تا کہ جس طرح پیغمبرانہ نظام نے کسریٰ اور قیصر کی دولت اور حکومت کے تفاخر اور تکلف کو تباہ کر دیا تھا، اسی طرح تمام غیر اسلامی تفاخر اور تکلفات اور مغربی تقلید کے آثار ولوازم کو ختم کر دینا چاہیے۔ آج اگر ہم میں رائج معاش کا فاسد نظام ہمارے اخلاق کو پست اور ہماری حیات کو تلخ بنا رہا ہے اور امراء اور سرمایہ داروں کے بیشمار قسم کے مظالم اور معاشی جبر واستبداد سے ہم نالاں ہیں تو اس کا علاج صرف اسلامی اصول ونظریات اور اسلام کے معاشی نظام میں ہے ۔ اسلام امراء اور سرمایہ داروں کے معاش اور معیشت کو معیاری اور مثالی قائم کرنا نہیں چاہتا اس لیے ان کے معاشی

تکلفات اور تعیّشانہ ضروریات کے لیے کاشتکاروں تجار اور صنعت کاروں پر طرح طرح کے ٹیکس لگانے کا حق نہیں دیتا ہے۔ بلکہ اسلام، امراء اور دولتمندوں کے تشدّد کو تمدّن کی تباہی اور بربادی کا سبب قرار دیتا ہے۔ لوگوں میں جب بے جا عیش کو جگہ ملتی ہے تو ان میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کا پیدا ہونا لازمی ہے اور بنیادی ضروریات زندگی پر توجہ کم ہو جاتی ہے اور امراء کے لیے سامان تعیش فراہم کرنے پر لوگ زیادہ کوشش کرتے ہیں ایک طرف بنیادی ضروریات زندگی میں کمی آجاتی ہے اور دوسری طرف امراء کا تعیش زر کثیر صرف کیے بغیر پورا نہیں ہوتا اور ملک کے پیشہ ور طبقات پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس کا بار ڈالا جاتا ہے اور ملک کے تمام بنیادی، عمدہ اور ضروری مصالح تباہ ہو جاتے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں اگر اللہ کے رسول ﷺ نے مستبد اور غیر عادلانہ معاش کی جگہ صالح اور عادلانہ معاش قائم کیا تھا اور ایسے امور اور اسباب کو تبدیل کر دیا تھا جس سے واہی تباہی خطرات پیش آسکتے تھے تو اسی طرح مسلمانوں کے امیر اور فرمانروا کا یہ منصبی فریضہ ہے کہ ملک اور دولت کی اصلاح پر گہری نگاہ رکھے اور مفسدانہ رجحانات کو سختی سے روکے اور ملک میں امراء کے تعیش پسندانہ راہ و رسم کو پھیلنے نہ دے تاکہ ان کی یہ بیماری اور مہلک آفت دوسروں تک متعدی نہ ہو جائے اور کاشتکاروں، تاجروں اور صنعتکاروں کی حوصلہ افزائی کرے تاکہ وہ آسودہ حالی کے ساتھ ملک کی لازمی ضروریات مہیا کریں اور ملک کے معتد بہ حصّہ میں ملک کی لازمی ضروریات کے مہیا کرنے کا جذبہ موجود اور قائم رہے اور یہ کہ اسلامی معاش کے ایک ایک شعبہ میں اخلاقی پہلو کو روشن اور نمایاں رکھے کیوں کہ اسلامی معاش کا اخلاق اور روحانیت کے ساتھ گہرا تعلّق ہے۔

نرمی اور دلجوئی کا سلوک

ملک کے استعماری طبقوں کے ساتھ اسلام نے جس طرح کا سلوک اور برتاؤ روا رکھا ہے میں یہاں اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ اسلام کے معاشی نظام کی وسعت کے

ساتھ ساتھ یہ بھی اندازہ کیا جاسکے کہ اسلام اپنے نظام میں معاشی سہولتوں کا خاص طور پر اہتمام رکھتا ہے۔

عُشر اور خراج اسلامی محاصل کے شعبے اور دولت وثروت پیدا کرنے کے معاشی طریقے ہیں۔امیر المؤمنین ہارون الرشیدؒ کو جلیل القدر امام ابو یوسفؒ کی چند ہدایات اس غرض سے نقل کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ واضح طور پر یہ معلوم کرسکیں کہ اسلام اپنے معاشی نظام میں اخلاقی روش اور رفق ودلجوئی کے قیام پر اور جبر وتشدد اور ظالمانہ رسوم کے روکنے پر سختی کے ساتھ مسلمان عمال کو پابند بنانا چاہتا ہے جس سے ایک طرف تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاشی نظام میں سہولتیں پیدا کرنا پسندیدہ امر ہے اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجتماعی حکمرانی اور اس کے حکام اور عمال کی غلامی کو بھی اسلام نسل انسانی کے افراد کے لیے پسند نہیں کرتا۔اسلام سے پہلے ایرانی اور رومی حکومتوں کا یہ طریقہ تھا کہ کاشت کاران کے محکوم اور غلام ہیں اور لگان کے وصول کرنے میں ان پر ہر قسم کی سختیاں روا رکھتے تھے۔اور زمیندارانہ لگان کے وصول کرنے میں حکمرانوں کی طرح بڑے بڑے زمینداروں کا طریقہ بھی جبر وتشدّد تھا۔اسلام نے اس ظالمانہ روش کو روکا اور جبر وتشدّد کو حرام قرار دیا۔جابر اور مستبد عاملوں کو سختی سے سرزنش کی اور کاشتکاروں سے نرمی اور دلجوئی اور مہلت اور سہولت کے ساتھ لگان کے وصول کرنے پر مامور فرمایا۔

حضرت عمرؓ شام سے واپس آرہے تھے کہ آپ نے کچھ آدمی دھوپ میں کھڑے ہوئے دیکھے اور آپ کے دریافت کرنے پر آپ کو یہ بتایا گیا کہ ان کو جزیہ ادا نہ کرنے کی سزا دی جارہی ہے۔حضرت عمرؓ نے اس سخت گیری پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا،ان کو چھوڑ دو، ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دو۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے،لوگوں کو عذاب میں نہ ڈالو جو لوگ دنیا میں دوسروں کو عذاب دیتے ہیں،اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو عذاب میں ڈالے گا۔آپ کے حکم پر وہ چھوڑ دیئے گئے۔(کتاب الخراج ص ۱۲۵،ابی یوسف)

امام ابو یوسفؒ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں ''اہل خراج سے وہ رقم ہرگز نہ لی جائے جو خراج کی رقم کے علاوہ رواج کے نام سے لی جاتی ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب کاشتکاروں میں سے کوئی خراج کی رقم لاتا ہے تو سرکاری عامل کا کارندہ اس میں سے کچھ سِکّے نکال کر کہتا ہے کہ یہ تو رواج کے مطابق ہمارا حق ہے اور اصل خراج میں اتنا بقایا اور ادا کرو'' بدقسمتی سے یہی رواج اور رسمی حق کے نام سے آج بھی یہ بدرسم قائم ہے نہ قوم کے نمائندوں نے اس کی اصلاح پر توجّہ کی اور نہ سرکاری نمائندوں نے باوجود جاننے اور سمجھنے کے اس کو روکنا چاہا امام ابو یوسفؒ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں۔ (کسی شخص کو بھی خراج کے سلسلہ میں زدوکوب نہ کیا جائے اور نہ ایک پیر پر کھڑا کیا جائے اور میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعضے سرکاری کارندے اس قسم کی ذلیل حرکتیں کرتے ہیں کہ اہل خراج کو دھوپ میں کھڑا کر دیتے ہیں اور ان کو مار پیٹ کرتے ہیں اور ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکا دیتے ہیں اور ان کو قید کر دیتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہ پڑھ سکیں یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے اور اسلام ان حرکتوں کو بدترین قسم کی تعدّی جانتا ہے۔ (کتاب الخراج ص ۱۰۹)

افسوس ہے کہ یہ بے اعتدالیاں عام ہو رہی ہیں اور اہل کاروں اور زمینداروں کی بے جا تعدّی سے عوام نالاں ہیں۔ مگر رسم و رواج کے ماتحت بادل نخواستہ یہ تمام باتیں برداشت کی جا رہی ہیں۔

امام ابو یوسفؒ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں! ''خراج کی وصولی کے لیے کسی صالح متدین اور امین کو مقرر کیجیے اور اس کے ساتھ وہ فقیہہ بھی ہو عالم بھی ہو اور اہل رائے سے مشورہ لینے والا پاک نفس خداترس بھی ہو اور وہ خدا کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرے حق کی حفاظت کرنے اور امانت کو ادا کرے اور ایسے والی کو مقرر کیجئے کہ وہ اہل علم پر ظالم نہ ہو اور ان کو حقیر نہ جانے ان کو ذلیل نہ کرے۔ وضیع اور شریف قریب اور بعید

سب کے حقوق کی برابر حفاظت اور نگرانی رکھے اور اس کو نصیحت کیجیے کہ لوگوں پر ظلم نہ کرے اور ان کے ارزاق کو ماہ بماہ ان کے دیوان سے برابر ادا کرے اور خراج کے سوا ایک روپیہ بھی ان سے وصول نہ کرے اور اگر لوگ خود بخود بھی اس کو کچھ دیا کریں تو اس کو قبول نہ کرے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عامل اور والی کے اردگرد ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا اس کی وجہ سے احترام ہوتا ہے اور اس کا وسیلہ اور واسطہ ہوتے ہیں وہ لوگ نیک اور صالح نہیں ہوتے اور والی ان سے مدد لیتے ہیں اور اپنے کاموں پر ان کو مئوظف مقرر کرتے ہیں اور وہ اپنے وظائف میں حافظ نہیں ہوتے۔ کوتاہی کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں انصاف نہیں کرتے۔ ان کا (کارندوں کا) مذہب یہ ہے کہ بہرحال لینا چاہیے خواہ وہ مقرر خراج ہو یا رعیت کا مال اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ ظلم اور سختی سے لیتے ہیں پھر والی حاکم تحصیلدار اور اس کا عملہ اگر کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو ضیافت کے نام سے وصول کرتے ہیں اور ان کی قدرت سے زیادہ لیتے ہیں اور جو ان کے ذمہ نہیں ہوتا اس کو ظلماً حق بتا کر لیتے ہیں اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کا مطالبہ اہل خراج سے بڑھ جاتا ہے اور جب والی کا یہ کارندہ کاشتکاروں میں پہنچتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ خراج کے علاوہ یہ میری مزدوری ہے، والی نے اس کو مقرر کر رکھا ہے۔ اگر لوگ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتے تو ان کو مارتا ہے اور ان پر جبر کرتا ہے اور کاشتکاروں کی بیل بکریوں کے ریوڑ جو بھی ہاتھ لگتا ہے نکال لاتا ہے اور ان کمزوریوں سے یہ سب ظلم اور جور سے وصول کرتا ہے اور یہ اہل خراج کے لیے سخت ضرر اور تکلیف ہے اور حکومت کی آمدنی بھی اس سے گھٹتی ہے اور خدا کے ہاں بڑا گناہ ہے‘‘۔ (کتاب الخراج ص ۱۰۶۔۱۰۷)

امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کو ایسے عمال اور کارندوں کی تقرری کی ہدایت کی ہے جن میں مذکورہ محاسن موجود ہوں تاکہ حکومت اور عوام الناس معاشی وسائل میں خلل نہ ڈالیں اور تنگی پیدا نہ کریں اور اس کے ساتھ ایسے حکام ضروری ہیں جن کو اسلام کے احکام کا

پاس اور احترام ہو اور اسلام کے خطوط پر چلتے ہوں تا کہ ان کے ہاتھ میں اسلام کا صالح معاشی نظام قائم رہے اور اس میں خیانت تعدّی اور فساد کو داخل نہ ہونے دیں اور حکومت اور عوام کی معاش ان کی دست درازیوں سے محفوظ رہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کسی جامع مسجد یا خانقاہ یا پبلک جلسہ میں یہ وعظ نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے فرمانروا ہارون الرشید کو یہ ہدایت کی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک کے فرمانروا کا یہ فرض ہے کہ اپنے حکام اور عمال کی کڑی نگرانی رکھے اور ان کی بیجا تعدی اور بے انصافیوں اور بے رحمانہ دخل اندازیوں پر سخت گیری کرے اور ایسے اسباب کو روک دے جن سے معاش کے نظام میں خلل اور فساد پڑتا ہے اور ایسا نظام محاسبہ قائم کر دے جس طرح کہ حضرت عمرؓ نے احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا۔ اس محکمہ کے افسر محکمہ خراج کے عہدہ داروں کی مالی حالت کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور اس بات کی سخت نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں کسی عہدہ دار کا خرچ اس کی آمدنی سے زیادہ تو نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تھا تو فوراً تفتیش کی جاتی تھی کہ اس عہدہ دار نے خراج کی رقم میں خرد برد تو شروع نہیں کر دی۔ خراج کی رقم میں خرد برد کرنے پر اگر کسی افسر کو معزول کر دیا جاتا تھا تو اسے دورانِ منصب جمع کی ہوئی نصف دولت بیت المال میں جمع کرنی پڑتی تھی اس میں کسی قسم کی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اگر خراج کے کسی افسر کی دولتمندی پر شبہ ہو جاتا تھا تو نہایت سختی کے ساتھ اس کی تحقیق کراتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص کی غیر معمولی ثروت پر آپ کو شبہ ہو گیا تو آپ نے ان کی رعایت نہیں کی اور نہایت سختی سے محمد بن مسلمہؓ سے تفتیش کرائی۔ عبدالملک بن مروان خراج کے بددیانت افسروں کو برطرف کرنے کے بعد نہایت سختی سے ان کی ثروت کا جائزہ لیتا تھا اور جن لوگوں پر یہ شبہ ہو جاتا تھا کہ خراج کے افسروں کی امانتیں ان کے پاس رکھی ہیں ان سے اعتراف کرانے کے لیے انہیں سنگین سزائیں دی جاتی تھیں اور ان سے مال و دولت لے کر بیت المال میں داخل کرا دیا جاتا تھا۔ یہ تمام وظائف مسلمانوں کے فرمانروا کے ہیں اور قوم پر یہ بوجھ نہیں ڈالنا

چاہیے کہ وہ سرکاری حکام اور عمال کی شکایت اور جاسوسی کریں۔ حکام اور عمال کی بددیانتی میں بیت المال کی رقم کی خرد برد کی طرح خراج کی رقم سے اضافہ وصول کرنا اور اہل خراج کے اموال کو حیل اور فریب سے خرد برد کرنا سب شامل ہے۔

حضرت علیؓ نے شام کے مشہور مقام عقراء کے عامل کو ظہر کے وقت ملاقات کی ہدایت فرمائی اور فرمایا میں تمہیں وہ وصیّت کرتا ہوں جو میں نے تمہیں لوگوں کے سامنے کی ہے۔ دیکھو جب تم ان کے پاس پہنچو تو خراج و لگان میں نہ تو ان کے سردی اور گرمی کے لباس کو فروخت کرنا اور نہ ان کے روزانہ کھانے کی اشیاء کو اور نہ ان جانوروں کو جن سے وہ کاشت کرتے ہیں۔ اور خانہ داری کے ضروری سامان سے کوئی شے خراج میں فروخت نہ کرنا بیشک ہم مامور کیے گئے ہیں کہ ان سے عفو کی مراعات کریں اگر تو نے میرے امر کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ تجھ سے مؤاخذہ کریگا اور اگر مجھے اطلاع ملی کہ تو نے میرے امر کی تعمیل نہیں کی تو تجھے معزول کردوں گا۔ (کتاب الخراج ص ۱۶)

آپ سوچئے اور خوب سوچئے کہ اسلام اپنے معاشی نظام میں ذمی کاشتکاروں کے لیے بھی مذکورہ بالا مظالم اور ان کے معاشی وسائل میں ضیق اور تنگی کو روا نہیں رکھتا ہے تو اسلام کا معاشی نظام ان کاشت کاروں کے حق میں کب ایسے مظالم کو برداشت کرے گا کہ وہ یا تو زمیندار کے ساتھ اجارہ کا معاملہ کرتے ہیں اور یا مزارعت کا معاملہ کیا ہے۔ اگر اسلام نے اپنے نظام میں ذمی کاشتکاروں کے معاش کے وسائل میں ضیق اور سختی کو روا نہیں رکھا ہے تو اسلام مسلم کاشتکاروں کے معاش کے وسائل میں ضیق اور تنگی کس طرح برداشت کرے گا کہ کاشتکاروں کو اپنے معاش کے لیے زمین کے استفادہ سے یہ کہہ کر روک دیا جائے کہ وہ کاشتکار اس زمین کا مالک نہیں ہے۔

اسلام اور دوسرے نظام ہائے معاش میں فرق ہے

جن حضرات نے اسلام کے معاشی نظام کا اور اس کے مقابلہ پر سوشلزم یا اشتراکیت کا صحیح اور بغور مطالعہ کیا ہے ایسے حضرات خوب جانتے ہیں کہ اسلام اور اشتراکیت کے معاشی نظام میں تضاد اور بیّن طور پر فرق ہے اس لیے اشتراکیت کو اسلام سے یا اسلام کو اشتراکیت سے جوڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔قرآن اور سوشلزم کے عنوان پر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے تبصرہ کیا ہے۔میں ان کے الفاظ میں اس کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں۔

''ایک عام اور سب سے زیادہ مہلک غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں زکوٰۃ دے دینے کے بعد انفاق اور خیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں جہاں ایک شخص نے رمضان میں اٹھنیوں اور روپوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لیے رکھ دیں، سال بھر کے لیے اسے ہر طرح کے انسانی اور اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی حالانکہ ایسا سمجھنا یک قلم اسلام کو بھلا دینا ہے۔اسلام نے مسلمان کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے بلکہ منزل، خاندانی ،معاشرتی ، جماعتی ،اور انسانی فرائض کی ادائیگی کی ایک پوری آزمائش ہے اور جب تک ایک انسان اس آزمائش میں پورا نہیں اُترتا اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے اس پر اس کے نفس کا حق ہے اس کے والدین کا حق ہے رشتہ داروں کا حق ہے بیوی بچوں کا حق ہے ہمسایہ کا حق ہے اور پھر تمام نوع انسانی کا حق ہے اسکا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور انہی فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں یہ تمام فرائض ادا نہیں کیئے جا سکتے جب تک کہ انفاق اور خیرات کے لیے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہو جائے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا ہے جس قدر نماز اور انفاق پر۔اور منافقوں کی

سب سے بڑی پہچان یہ بتلائی کہ انکی مٹھیاں بند رہتی ہیں انفاق کے لیے کھلتی نہیں۔ پس یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دے دیا انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہوگئے صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے۔ زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے اور ایک خاص مقصد کے لیے لگایا گیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے۔ لیکن ہماری زندگی کا ہر چوبیس گھنٹہ ہم سے انفاق کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر ہم اسلامی زندگی کا توشہ لیکر دنیا سے جانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ حسب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں۔ دنیا میں دولت اور وسائل کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا کہ اس کا ردعمل پیدا ہو چنانچہ اٹھارویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے اور پندرہ برس سے روس میں اس کا اوّلین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے تو کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کا رُخ بھی اسی طرف ہے جس طرف سوشیلزم جا رہا ہے؟ بلا شبہ یہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک اور اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

دو صورتیں ہیں اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے۔ ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسائل دولت کا احتکار روک دیا جائے اور کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لیے نکالے نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہوسکتی اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے کیونکہ سب کی جسمانی اور دماغی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جدّ وجہد معیشت کے ثمرات یکساں نہ ہوں۔ بالفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جس قدر

حاصل کر سکتا ہے وہ اس کا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا احتکار ہی نہ روکا جائے بلکہ دولت کی انفرادی ملکیّت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے۔ مثلاً وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں انفرادی قبضہ باقی نہ رہے اور جسمانی دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے۔ قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے وہ پہلی ہے اور سوشیلزم جس بات کے لیے ساعی ہے وہ دوسری ہے دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے۔ دونوں نے علاج بھی ایک یعنی دولت کا اکتناز روکا جائے لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں ہے۔ ایک اختلاف معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ نکالتا ہے دوسرا اِسے مٹا دینا چاہتا ہے۔ اسلام اور سوشیلزم کا یہ اختلاف اگرچہ محض درجہ (ڈگری) کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن تہ میں مبدا کا اختلاف بھی موجود ہے۔ سوشیلزم کا نظریہ یہ ہے کہ مدارج معیشت کا اختلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں ہے لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جا بجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف قدرتی ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے۔ وہ کہتا ہے اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہو جاتی تو تراحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لیے کوئی شے محرک بھی نہ ہوتی اور اجتماعی زندگی کی تمام سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے

''ترجمان القرآن ج ۲۔ ص ۱۳۵۔۱۳۶)

غرض یہ کہ اسلام صدقات واجبہ زکوٰۃ عشر خراج کے علاوہ بھی مسلمانوں پر مختلف اصناف کیلئے مزید حقوق عائد کرتا ہے ان کے ادا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنے فرائض کے ادا کرنے کا اس کو حق دیا گیا ہے۔ اور ارباب حقوق کیساتھ حسن سلوک پر مامور کیا گیا ہے کہ جو لوگ بڑائی اور بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا امر

کرتے اور سکھاتے ہیں اور اللہ کے فضل اور احسان کو چھپاتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ پسند نہیں کرتا اور ایسے لوگ اللہ کے ناشناسوں سے ملتے ہیں اور ان کے لیے ذلّت کا عذاب ہے ۔قرآن شریف ارباب حقوق کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید اور اہتمام میں دولت کی تقسیم کرنے کی ہدایت اور دولت کو احتکار اور خزانہ بنانے سے نہی کرتا ہے۔اور یہ سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت کی صریح اور بین شہادت ہے۔

اسلام کا قانون وراثت

اسلام کا قانون وراثت جن حضرات نے پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ سرمایہ داری کی اصل جڑ اکتناز اور احتکار کو مٹاتا ہے اور اس کی جگہ قانون وراثت میں تقسیم دولت کی راہ کھولتا ہے اور ایسا نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس سے ثروت و دولت ہمیشہ گردش میں رہے اور ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ میں پہنچے اور کسی ایک فرد تک اس کا فائدہ مخصوص نہ رہے اور اس حکیمانہ نظامِ وراثت میں قرآن شریف نے مثبت طریقہ پر غیر متبدل سبیل پر بنی نوع انسان کی راہنمائی کی ہے کہ دولت کسی مخصوص طبقہ کیلئے محدود نہیں ہے اور دولت جمع کرنے اور اپنے لیے مخصوص کرنے کیلئے نہیں بلکہ دوسروں میں تقسیم کرنے کیلئے ہے اس کی تقسیم ہونی چاہیے۔اور نیز اسہام وراثت کے تعین کرنے میں قرآن شریف نے امتیاز رکھنے میں یہ بھی ظاہر کرنا چاہا ہے کہ درجات معیشت تمام افراد کے یکساں نہیں ہیں ۔ان میں امتیاز رکھنا فطری امر ہے۔

اسلام اور سوشلزم دو الگ الگ مسلک ہیں

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم لکھتے ہیں ''بہرحال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا لیکن معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر

سامان معیشت ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ ملے سب کو اور سعی و ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے۔ اُس نے ہر طرح کے نسلی خاندانی جغرافیائی اور طبقاتی امتیاز مٹا دیے۔ اس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا ہے۔ اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو سوسائٹی کے اونچے طبقوں نے کمزور افراد کی خوشحالی و ترقی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں۔ اس نے قانون سازی کے ذریعہ دولت کا احتکار و اختصاص روک دیا۔ اس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا اس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولتمندی بجائے خود کوئی حق ہے۔ اس نے بے اعتدلانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں۔ اس نے سود کی ہر شکل حرام کر دی اُس نے جوأ کو کسی حالت میں جائز نہ رکھا پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمالِ حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی اور ہر کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لیے بھی نکالے بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے۔ لیکن سوشلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ انفرادی ملکیّت کی جگہ قومی ملکیّت کو قائم کر دے اور مدارج معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوال معیشت کا اختلاف قدرتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی و ترقی کے لیے محور اور محرک وہی ہے وہ کہتا ہے اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساوات معیشت پر قائم کیا گیا تو دوسری طرف کے ذہنی اور معنوی محرکات پیدا ہو جائیں گے اور کارخانہء معیشت کی سرگرمی اسی طرح جاری رہے گی جس طرح اس وقت تک جاری رہی ہے دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے۔ اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کو عملیت کا جامہ نہیں پہنا سکا ہے تاہم اِس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اِس مطالبہ کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے ”(ترجمان القرآن ج ا۔ص ۱۳۷)

آج بعضے حق ناشناس انفرادی اور کاروباری سود کی تفریق و تقسیم کرتے ہوئے انفرادی سود کو حرام اور کاروباری سود کو حلال قرار دیتے ہیں اور اسلام کی طرف اِس کو منسوب کرتے ہیں تو یہ اِن کا کوراپن اور اسلام میں محرفانہ تصرف ہے وہ اسلام نہیں ہے اور اگر مغرب کی تقلید میں مہذب شکل میں جوئابازی کے جواز کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ اسلام سے ان کی بغاوت ہے اور مغرب کی اندھی تقلید ہے۔ اِسلام نے انفرادی اور کاروباری سود پر سود کی حرمت اور حلت کو تقسیم نہیں کیا ہے جیسا کہ حرمت زناء اور حلت زناء کو مزینہ کی مرضی اور جبر پر تقسیم نہیں کرتا ہے جیسا کہ اسلام بغیر کسی قسم تقسیم زناء کو حرام قرار دیتا ہے اور مزینہ کی رضامندی کی آڑ میں زناء کی سزا سے زانی کو معاف نہیں کرتا اسی طرح انفرادی اور کاروباری تقسیم پر کاروباری سود کو اسلام حلال قرار نہیں دیتا ہے۔ سوشیلزم سود اور دوسرے امور کی حلت اور حرمت سے اِسی لیے بھی بحث نہیں کرتا کہ وہ کسی آسمانی دین کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ سوشیلزم کے سامنے صرف کمائی کرنا اور استحصال منافع ہے خواہ اِس کا طریقہ جائز ہو یا ناجائز۔ اور بعضے حق ناشناس مسلمان کاروباری سود کی حلت پر اس لیے زور دے رہے ہیں کہ وہ مغرب کے سرمایہ دارانہ دین کو اپنانا چاہتے ہیں۔ اسلام شخصی اور انفرادی ملکیّت کو صحیح اور جائز تسلیم کرتا اور اس کے احترام کو قائم رکھتا ہے کسی کو بھی اِس میں تعدی اور دست درازی کا حق نہیں دیتا۔ مگر اِس پر حقوق اور فرائض بھی عائد کرتا ہے اور اِس قدر آزاد مطلق بھی نہیں چھوڑتا کہ مالک جس طرح چاہے اِس میں تصرف کرے، مِلک کے حاصل کرنے اور اِس کے بڑھانے میں اسلام ظلم کو تشدد کو بے رحمی کو ناجائز قرار دیتا ہوا رحم اور شفقت کو قائم کرتا ہے۔ اسلام افراد نسل انسانی کو انفراد اور اجتماع دونوں کا غلام نہیں بناتا اِس لیے فرد فرد کی مِلک کو قائم رکھتا ہے اور محدود نہیں کرتا۔ اور ہر فرد کو اپنے مِلک میں جائز تصرف کرنے کا پورا حق دیتا ہے۔ اسلام کے دیے ہوئے نقشہ کے مطابق مسلمان کی ثروت اور دولت کے اضافہ سے کسی فرد کی غربت اور افلاس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی دولت اجتماعی ثروت اور دولت میں صحت

مند دولت کا اضافہ کرتی ہے۔اسلام ایثار،انفاق اور شریفانہ زندگی بسر کرنے کے پاس خاطر فکر اور عاقبت اندیشی کے پیشِ نظر دولت حاصل کرنے اور اِس کی حفاظت کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔مگر سوشیلزم یا اشتراکیت کا نظریہ صحت مند فکر و نظر کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ مزدوروں کو سرمایہ داروں کے ظلم و استبداد سے نکالنے کے لیے تشدد کی راہیں سمجھا تا ہے اور سرمایہ داری کے مظالم سے انتقام کا متعصّبانہ جذبہ اور سرمایہ داری کے خلاف لوٹ کھسوٹ اور مار دھاڑ کا حربہ ہے اور مکر و فریب کے جواز اور رواج دینے کے لیے خوشنما پھندا ہے مذہب اور اخلاق سے اس کو دور کا واسطہ نہیں ہے بنی نوع انسان کی بے لوث ہمدردی سے نا آشنا ہے مزدور کو اس کا پورا حق نہ دینا اس پر شفقت نہیں بلکہ پوری تعدی ہے۔افراد کے املاک اور اموال کو اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھنا انصاف کا خون اور ظلم و عُدوان کا سیلاب ہے حکومت یا اجتماع کی غلامی کا طوق کسی کے گلے میں ڈالنا اور کسی شے میں اپنے اختیار اور ارادہ سے تصرف کرنے کو روکنا انسانیت کی بڑی ذلّت ہے۔افراد کی ثروت اور دولت کو روکنا اور حکومت کو بڑا سرمایہ دار اور عظیم اژدہا بنا دینا جس کو چاہے اور جب چاہے نگل جائے ،اور افراد انسانی کو ملک کے جانوروں کی طرح کھرلی پر کھڑا کرنا اور قومی خزانے سے جس قدر چاہے چارہ ڈال دیا جائے۔افراد نسلِ انسانی کے لیے ایسا ذلّت آمیز نظریہ ہے جس کو کوئی غیرت مند اور عزت نفس کا متلاشی شریف انسان برداشت نہیں کرتا۔اسلام اور اشتراکیت کے مابین بڑا مانع اور حائل یہ بھی ہے کہ اسلام ملک کے افراد کو توانا اور خوش حال رکھنا چاہتا ہے تا کہ ترقی کی راہ میں ملک کے افراد تنگدست اور پریشان نہ ہوں اس لیے اسلام حکومت کو زیادہ دولتمند بنانے کے لیے حقوق عائدہ کے علاوہ مسلمانوں پر مزید ہاؤس ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس اور انکم ٹیکس وغیرہ کے اضافہ کرنے کا حکومت کو حق نہیں دیتا ہے اور حکومت اور حکومت کے عمال اور حکام کو فضولیات سے پرہیز اور عیش و عشرت کے سامان ترک کرنے اور مصارف میں کفایت کرنے کی ہدایت کرتا ہے تا کہ ملک کی ضروریات کے

پورا کرنے میں حکومت دوسروں کی دست نگر اور ملک کے افراد پر مزید ٹیکس لگانے کے لیے مجبور نہ ہو اور باہر سے قرضہ کے بوجھ اُٹھانے کی مجبوری پیش نہ آئے۔ اور ملک کے افراد کا پورے اخلاص اور ہمدردی سے حکومت کیساتھ تعاون قائم رہے۔ سوشیلزم میں ملک کے افراد حکومت کی ہر جائز اور ناجائز روش اور اقدام میں اگر ساتھ دیتے ہیں تو یہ انکی اور معاشی مجبوری ہے کہ اس کے سوا اِن کے لیے دوسرا چارہ نہیں ہے اور حکومت کو ضرورت پڑنے پر ملک کے افراد ایثار اور قربانی کرنے میں دفاع حکومت کے استحکام میں کسی طرح کی پس و پیش اور تامل کو جائز نہ رکھیں۔ جیسا کہ ہمارے ملک میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں کہ وہ ذاتی وسائل منافع میں کروڑ ہا در کروڑ ہا روپیہ خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر سکتے ہیں مگر قوم کی اجتماعی حالت یہ ہے کہ وہ باہر کے قرضہ کے دباؤ سے پس رہی ہے اور کسی بنیا کو یہ خیال نہیں گزرتا کہ وہ اپنا سرمایہ ملک اور قوم کی بہتری اور اجتماعی حکومت کی ضروریات میں صرف کردے۔ مگر سوشیلزم ملک کے افراد کی ثروت دولت کو سرے سے برداشت نہیں کرتا او رملک کے افراد کو اپنی سعی اور محنت سے حاصل کی ہوئی دولت میں اپنے اختیار اور ارادہ سے تصرف کرنے کا حق نہیں دیتا۔ کیا اِس تضاد اور اختلاف نظر کے باوجود بھی سوشیلزم اسلام سے یا اسلام اشتراکیت سے میل کھاتا ہے؟ اسلام اپنے نظام میں فرد اور اجتماع کو ممتاز نہیں کرتا۔

اِسلام بیت المال (سرکاری خزانہ) میں بھی ملک کے افراد کو حکومت کے عمال سے الگ نہیں رکھتا ہے۔ حکومت کے حکام اور عمال کو زیادہ فضیلت اور امتیاز کا حق نہیں دیتا بلکہ بیت المال نے تمام قضاۃ اور عمال کے لیے اور جو بھی دین اور مسلمانوں کے امور میں اشتغال رکھتا ہے بقدر کفاف ارزاق دیتا ہے مگر یہ ان کی مزدوری اور ان کے کسی عمل کا بدل اور اجرت نہیں ہے۔ (احکام القرآن للجصاصؒ ج ۲۔ ص ۸۰)

حضرت عمرؓ نے فرمایا بیت المال کے ساتھ میری اِس قدر نسبت اور تعلق ہے جس

قدر یتیم کے مال سے اِس کا ولی بقدر کفایت اگر اس کو ضرورت ہے لیتا ہے۔اگر مجھے ضرورت نہ ہو تو میں بیت المال سے کچھ نہیں لیتا اور جب مجھے فراخی ہوتی ہے تو بیت المال کو واپس کرتا ہوں ۔(روح المعانی)

اور بہت سے حضرات تابعین نے جیسے سعید بن جُبیر ،حضرت مجاہدؒ،حضرت ابی العالیہؒ،حضرت ابی وائلؒ ،حضرت عبیدۃ السلمانیؒ ،حضرت حسن بصری ،حضرت ابراہیمؒ ، حضرت عطا بن ابی رباحؒ ،حضرت مکحولؒ نے فرمایا ہے کہ ضرورت کے وقت بقدر حاجت وکفاف بیت المال (سرکاری خزانہ) سے لیا جاسکتا ہے(احکام القرآن للجصاصؒ ج ۲۔ ص ۷۷)

اوراسی طرح سورۃ نساء کی آیت کی تفسیر میں ابن کثیرؒ نے بھی حضرت عمرؓ کا مذکورہ قول روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔حضرت عمرؓ نے ربیع بن زیادؒ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا میری اور میری قوم کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک قوم سفر کرے اور اپنے نفقات کو اپنے میں سے کسی ایک شخص کو یہ کہہ کر سپرد کردے کہ اس کو ہم پر خرچ کرو۔کیا اِس شخص کے لیے یہ حلال ہے کہ قوم کے نفقات میں سے اپنے لیے کچھ رکھے؟ فرمایا اسی طرح میرے پاس یہ دولت قوم پر خرچ کرنے کے لیے ہے۔(کنز العمال ج ۱۴۔ص ۲۷۲ مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

عتبہ بن فرقدؓ کو آذربائیجان میں ایک خاص قسم کی غذا پیش کی گئی جو آپ کو بہت پسند آئی آپ نے بڑی مقدار میں بنوا کر امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس اپنے قاصد کے ہاتھ بھیجی۔حضرت عمرؓ نے اِس قاصد سے پوچھا کیا وہاں کے مسلمانوں نے اِس کو پیٹ بھر کر کھایا ہے؟ قاصد نے کہا امیر المومنین نہیں حضرت عمرؓ نے عتبہ بنؓ فرقد کو واپس کرتے ہوئے یہ لکھ کر بھیجا۔یہ دولت تیری محنت اور سعی سے حاصل نہیں کی گئی ہے۔اِس کو وہاں کے تمام مسلمانوں کو پیٹ بھر کھلاؤ جیسا کہ تم اس کو پیٹ بھر کھاتے ہو۔(کنز العمال ج ۱۴۔ص ۲۷۵)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں میں نے بصرہ کی جامع مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے زہد اور انکی فتوحات اور ان کی حسن سیرۃ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا تو میں ان کے قریب ہوا ان میں احنف بن قیس تمیمیؓ بھی تھے میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہمیں حضرت عمرؓ نے جہاد کے لیے عراق میں بھیجا ہم نے عراق اور فارس کے شہروں کو فتح کیا اور ہم نے ان سے بہت سا سامان اور نقدی کو غنیمت میں سے لے لیا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ہم سے اعراض کیا اور ہم سے نہیں بولتے تھے۔ صحابہؓ پر یہ بات بڑی شاق گزری اور عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عمرؓ کے اعراض اور جفا کی شکایت کی حضرت عبداللہ نے انکو جواب دیتے ہوئے کہا امیر المومنین حضرت عمرؓ نے آپ کو اس طرح کا لباس پہنے ہوئے دیکھا جس طرح کے لباس میں امیر المومنینؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے بعد خلیفہ اول ابوبکر صدیقؓ کو نہیں دیکھا تھا ہم اپنے منازل میں واپس ہوئے اور ہم نے وہ لباس اتارا اور پھر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اِس وقت حضرت عمرؓ نے ہم میں سے ایک ایک کو سلام کیا اور معانقہ کیا گویا اِس سے پہلے حضرت عمرؓ نے ہم کو نہیں دیکھا تھا پھر ہم نے غنائم پیش کیے اور حضرت عمرؓ نے انکو ہم پر مساوی طور پر تقسیم کر دیا۔

اور صحابہؓ آپس میں یہ تذکرہ کر رہے تھے۔ لوگو! امیر المومنین کے اِس زہد اور اِس لباس کو دیکھو کسریٰ اور قیصر کے بلاد کو اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح کرایا اور عرب و عجم کے وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ یہ جبہ پہنے ہوئے ہیں جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں ! اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کو کچھ تبدیلی کی استدعا کرنی چاہی مگر کسی کو کہنے کی جرأت نہیں ہوئی اور ایک بڑی بحث اور کوشش کے بعد حضرت عائشہؓ کو حضرت عمرؓ کے ساتھ اس قسم کی گفتگو کرنے کے لیے انتخاب کیا۔ حضرت عائشہؓ کے ذکر کرنے پر حضرت عمرؓ نے رسالت مآب ﷺ کے معاش کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے لیے کفاف اور قناعت کو پسند فرمایا (کنز العمال ج ۱۴۔ص ۲۸۴)

یہ ہے اسلام کا سیدھا سادہ معاشی نظام جسمیں امیر اور غریب کی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ اور راعی اور رعایا کے لیے ثروت اور دولت کی تخصیص نہیں اور مسلمانوں کے راعی کو لباس میں، رہنے سہنے میں، کھانے پینے میں، کسی قسم کے تکلفات کا امتیاز نہیں دیا گیا اور مسلمانوں کا راعی مسلمانوں کی دولت سرکاری خزانہ کا ایک امین ہے کہ وہ ضرورت کے وقت سرکاری خزانہ سے بقدر کفایت لینے کا حق رکھتا ہے اور کفاف سے زائد کسی قدر رقم لینے کی اجازت اس کو بیت المال سے نہیں دی جاتی۔ اور مسلمانوں کے راعی کو اپنے تمام معاش میں مسلمانوں کی دولت سے امتیاز اور فضیلت کا حق نہیں دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کا راعی عام مسلمانوں کی ضروریات زندگی کی سطح سے اپنی ضروریات حیات کو بالا اور بلند رکھنے کا حق نہیں رکھتا اور اپنی اور تمام حکام اور عمال کی ضروریات کو اِس پیمانہ میں تولتے ہیں جس میں عام مسلمانوں کی حاجات تلتی ہیں اور ایسی اشیاء کو اپنی ضروریات میں اور حکام وعمال کی ضروریات میں مخصوص کرنے کا حق نہیں جانتے جن کو تمام مسلمانوں کے لوازمات میں فراہم نہیں کر سکے اور اپنے ایسے عمال کو بھی جن کے سروں پر عراق اور بلاد فارس کی فتوحات کا سہرا ہے اِس طور وطرز میں دیکھنا پسند نہیں کرتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے طور وطریقہ کے خلاف تھا۔ کیا لینن اور مارکس کی اشتراکیت کے علمبرداروں میں اِس طرح کے اخلاقی اور مساویانہ دواعی اور محرکات اور بنی نوع انسان کی بے لوث اور مخلصانہ ہمدردی اور مشفقانہ جذبات کے نظائر مل سکتے ہیں جس طرح کہ حاملینِ اسلام نے محض انسانیت کے احترام اور حقوق انسانی کی حفاظت میں کسی دوسرے مفاد کی وابستگی کے بغیر معیشت کے حق میں مساوات کا نمونہ قائم کیا ہے؟

اسلام اگر حکمران اور اس کے حکام اور عمال کو رزق اور معیشت کے درجات میں افراد قوم کے مقابلہ پر امتیاز اور تفوق نہیں دیتا ہے بلکہ ہر ایک کے مناسب کفاف کے اصول کو قائم رکھتا ہے اور رکھنے کی ہدایت کرتا ہے تو بدیہی طور پر اسلام کے یہ اصول ثابت ہوتے

ہیں کہ غریب کی طرح امیر کو بھی اسلام مالک تسلیم کرتا ہے اور اسلام اس کا روادار نہیں ہے کہ امیر کی دولت کو یا اس کے معاش کے وسائل کو اس سے چھین کر غریب کو اس کا مالک بنا دے اسلام امیر اور غریب دونوں طبقوں کو مالک تسلیم کرتا ہے اور سوشیلزم دونوں میں سے کسی ایک طبقہ کو بھی مالک تسلیم نہیں کرتا ہے۔ اسلام امراء اور دولتمندوں کو دولت کی تقسیم کا امر دیتا ہے اور سوشیلزم غریبوں پر امراء اور دولتمندوں کو دولت کی تقسیم کی کہیں ہدایت نہیں کرتا ہے۔ اسلام کسی گروہ اور پارٹی کو دولت کے لیے مخصوص نہیں کرتا اور سوشیلزم سوشیلسٹ پارٹی کو حکومت اور دولت دونوں پر قابض رکھتا ہے اور تمام قومی وسائل معاش کو سوشیلسٹ کے لیے ملک اور مخصوص بناتا ہے اور عوام مفلس کے مفلس اور قلاش رہتے ہیں۔ اسلام کے نظام میں احتکار اور اکتناز کو اس لیے روک دیا گیا ہے کہ کسی خصوصی گروہ یا پارٹی کے لیے دولت اور معاش کے وسائل مخصوص ہو کر نہ رہ جائیں۔ مگر سوشیلزم دولت کی تقسیم کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا اور ملک کی تمام دولت اور دولت کے وسائل کو اپنی پارٹی سوشیلسٹ کے لیے مخصوص کرتا ہے۔ اسلام اور سوشیلزم دو متضاد اور ایک دوسرے کے بالمقابل دو الگ الگ نظام ہیں ۔سوشیلزم پسند جِدّت طراز حضرات کی جن کو حضرات علماء اور اسلام کے معاشی نظام کے اصول سے استفادہ کرنے کا موقع کم ملا ہے یہ نامسعود کوشش ہے کہ کبھی اسلامی نظام معاش کو سوشیلزم سے جوڑتے اور پیوند لگاتے ہیں اور کبھی اسلام کو سوشیلزم کے مشابہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور کبھی اہل علم کو اپنی صف میں کھڑا کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں اور اپنی تائید میں اہل علم کے ایسے بیانات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں جن سے اہل علم کا دامن پاک ہے۔

معیشت کے وسائل

معیشت کے وسائل اگرچہ مختلف صورتوں میں متعدد ہو سکتے ہیں مگر زراعت تجارت صنعت وحرفت معاش کے بنیادی وسائل ہیں۔ اور انمیں بھی زیادہ اہم اور سب سے مقدم زراعت ہے کہ اس کے بغیر تجارت اور حرفت بے کار اور معطل بھی ہو سکتے ہیں اور

کسی نے اس طرح کہا ہے۔زمین، محنت اور اصل معیشت کی ترقی کے ستون ہیں اصل درحقیقت دولت کا دوسرا نام ہے مگر دولت کے استعمال سے اگر دولت حاصل کی جاتی ہے تو وہ اصل کہلاتی ہے جیسا کہ مکان کرایہ پر دیا جائے، زمین اجارہ پر دی جائے اور دیگر اس قسم کی چیزیں اور اگر دولت سے دولت نہیں حاصل کی جاتی بلکہ اپنی حاجات اور ضروریات میں صرف کی جارہی ہے تو اس کا نام دولت ہے۔ یہ درست ہے کہ دولت کے حاصل کرنے کے لیے زمین، محنت اور دولت مئوثر اسباب ہیں۔مگر زراعت تجارت صنعت وحرفت کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔زمین محنت اور دولت کے بغیر معاش کے کسی بنیادی وسیلہ سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ انسانی معیشت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ''اور اس باب میں قاعدہ کلیّہ یہ ہے کہ جب انسان کی ضروریات بہت زیادہ ہوگئیں اور ان میں ہر ایک اپنی حاجت کو ایسے عمدہ طور پر پورا کرنا چاہتا تھا کہ جس سے آنکھوں کو تازگی اور دل کو سرور حاصل ہو تو ہر ایک کو تنہا ان کی انجام دہی مشکل ہوگئی کیونکہ بعض کے پاس ضرورت سے زیادہ کھانا تھا لیکن پانی نہ تھا اور بعض کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی تھا لیکن کھانا نہ تھا تو ہر ایک دوسرے کا محتاج ہو گیا اور سوائے مبادلہ کے اور کوئی صورت نہ بن پڑی پس یہ مبادلہ ان کی رفع حاجت کے لیے اچھا قرار پایا اور ضرورتاً یہ قرار پایا کہ ہر شخص ایک حاجت کے سرانجام کی طرف متوجّہ ہو اس کو خوب مستحکم کرے اور اس کے تمام وسائل مہیا کرنے کی کوشش کرے اور بواسطہ مبادلہ اپنی تمام حاجات کا ان کو ذریعہ بنائے پس یہ لوگوں کی نظر میں ایک مسّلم قانون بن گیا'' اور اس کے آگے فرماتے ہیں'' اور کسبی پیشوں کے اصول زراعت، چارپایوں کو چرانا اور خشکی اور تری سے مباح چیزیں لانا جیسے معدنیات نباتات اور حیوانات ہیں اور نجاری آہنگری اور کپڑا بافی اور دیگر دستکاریاں ہیں جو قدرتی جوہروں کو کارآمد کرسکتی ہیں پھر تجارت بھی ایک پیشہ ہوگیا اور شہر کے مصالح کا سرانجام دینا

بھی پیشہ ہو گیا۔اس کے بعد ہر وہ کام جس کی طرف لوگ محتاج ہوئے پیشہ ہوتا گیا۔ پھر جوں جوں لوگوں نے ترقی کی اور عیش و عشرت میں غرق ہوتے گئے اسی قدر مقاصد کے متعلقات پھیلتے گئے اور ہر ایک شخص ایک ایک پیشہ کے ساتھ مخصوص ہو گیا جس کی دو وجہیں ہیں۔ وجہ اول مناسبت قوی ہے۔پس بہادر آدمی جنگ کے لیے مناسب ہے اور زیرک اور جس کا حافظہ قوی ہے۔حساب کتاب کے لیے اور نہایت توانا بار برداری اور محنت کے کاموں کے لیے مناسب ہے۔اور وجہ دوم ارتفاقات ہے پس لوہار کے بیٹے اور اس کے ہمسایہ کے لیے جس قدر یہ کام آسان ہوگا کسی دوسرے کے لیے نہیں ہوسکتا اور نہ ان کو ہی دوسرا کام ایسا آسان معلوم ہوگا اسی طرح دریا کے ساحل پر بسنے والوں کے لیے مچھلی کا شکار کرنا جتنا آسان ہوسکتا ہے کسی دوسرے کے لیے اتنا سہل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے کوئی دوسرا کام اس قدر سہل ہوسکتا ہے۔ باقی رہے وہ لوگ جن کو کوئی اچھا پیشہ نہیں آتا تو انھوں نے شہر کے لیے ضرر رساں پیشے اختیار کیے جیسے چوری، جوا، گداگری"۔(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول باب فن المعاملات)

غرض یہ ہے کہ انسانی ضروریات بہت ہیں ۔اور ایک اکیلا انسان اپنی تمام حاجات کو کما حقہ، پورا نہیں کر سکتا اس لیے تمام افراد نسل انسانی اپنی حاجات اور ضروریات کے پورا کرنے میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور جس کے پاس اپنی حاجت سے زائد چیز موجود ہے تو اس کے عوض اور مبادلہ میں دوسرے سے اس چیز کو حاصل کرتا ہے جس کی حاجت اور ضرورت تھی اس طرح اشتراک اور باہمی تعاون میں انسانی معاش اور معاشرہ کا نظام قائم ہو گیا اور زراعت تجارت صنعت و حرفت اصول مکاسب قرار پا گئے ۔اور جوں جوں ارتقاء کے میدان میں لوگ آگے بڑھتے گئے اسی قدر ہر شخص نے اپنے مناسب ایک پیشہ اختیار کیا اور اس اشتراک اور باہمی تعاون کو انسانی معیشت کا صحیح اصول کہا جا سکتا ہے جس سے انسان کی حاجات اور ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے اور اس اشتراک اور تعاون کی

بنیاد بھی صرف اس قدر ہے کہ انسان اپنی ضرورت اور حاجت کو پورا کرنا چاہتا ہے اور اگر اشتراک اور تعاون کے نام پر دوسروں کی معیشت میں تنگی پیدا کی جاتی ہے اور ان کی احتیاج میں اضافہ کیا جاتا ہے تو وہ مذموم اور فاسد معاش ہے اور انسانی معاش کہلانے کا حق نہیں رکھتی جیسا کہ بعض کمپنیاں باہمی اشتراک وتعاون کے نام پر اس طرح کے مفاسد کو انجام دے رہی ہیں۔ نیز حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان اُس کام کو سہولت کے ساتھ صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے جس کے ساتھ اس کی مناسبت ہوتی ہے لہٰذا معاشرہ میں ہر شخص سے اس کے مناسب کام کا استفادہ کیا جانا چاہیے۔ تاکہ وہ اپنے وظائف کے انجام دینے میں نااہل ثابت نہ ہو۔ اور نیز حضرت شاہ صاحب کے بیان سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جو لوگ مدنیت کے ضرر رساں پیشے اختیار کرتے ہیں جیسے جوئے، چوری، اور گداگری وغیرہ یہ وہ بے کار اور نااہل لوگ ہیں جو معاشرہ کے لیے مضر ہیں اور معاشرہ میں انکی ضرورت نہیں ہے اور شہری مدنیت کو ان کے تباہ کن ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھنا اجتماعی طاقت کا فرض ہے۔ بنی نوع انسان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے معاش کے مذکورہ اساسی وسائل کا قیام لازم اور ضروری تھا۔ اور قدرتی طور پر معاشی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے معیشت کے بنیادی وسائل کے قائم کرنے پر انسانی نسل کے افراد مجبور ہیں کہ ان کے بغیر انسانی معیشت کا تصور نہیں ہے مگر انسان اپنے معاش کے بڑھانے اور وسائل معیشت میں اضافہ کرنے پر حریص بھی ہے اور ظلم وتشدد کا روادار بھی، اس لیے ضرورت تھی کہ معاشی نظام کو انسان کے ظالمانہ مفاسد سے اور ایک طبقہ کی مجرمانہ ترقی سے معیشت کے وسائل کو ابتری سے محفوظ کیا جائے جس سے معاشی نظام متوازن رہے اس لیے اسلام نے معیشت کے وسائل کو ایسے خطوط پر قائم کرنا چاہا ہے جس سے انفرادی شعبہ زندگی کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور اجتماعی نشوونما کے لیے بھی مفید ثابت ہوتا ہے اور ملک کے ایک ایک فرد کو استفادہ کرنے کا یکساں موقع مل سکتا ہے یعنی باہمی اشتراک اور تعاون کے اصول قائم

رکھے جائیں تاکہ ملک اور ملّت کی اجتماعی معیشت صالح اور صحت مند رہے۔

بنیادی معاشی وسائل کی ضرورت

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں "واضح ہو کہ جب کسی شہر میں مثلاً دس ہزار آدمی ہوں گے تو سیاست مدنیہ کو ان کے پیشوں سے بحث کرنی پڑے گی کیونکہ اگر ان میں سے اکثر صنعت اور سیاست شہری میں مشغول ہو کر کسب کریں اور ان میں سے تھوڑے لوگ مویشیوں کے چرانے اور زراعت کے پیشے میں مشغول ہوں تو دنیا میں ان کی حالت خراب ہو جائے گی اور اگر شراب کشی اور بت تراشی کا پیشہ اختیار کریں تو اس سے لوگوں کو اس طور پر ان کے استعمال کرنے کی ترغیب ہوگی جو ان کے درمیان مروج ہے پس اس سے دین میں انکی ہلاکت ہے اور اگر پیشہ وروں پر پیشوں کے اس دستور کے موافق تقسیم کی جائے جو حکمت کا مقتضٰی ہے اور بُرے پیشہ کرنے والوں کو ان بُرے پیشوں سے روکا جائے تو لوگوں کی حالت درست ہوگی اور اسی طرح شہروں کی خرابیوں میں سے یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کو زیورات لباس اور مکانوں کے دقائق کی طرف اور عورتوں کے حسن کی طرف اور انہیں کی مثل اور چیزوں کی طرف اس ضرورت سے زیادہ رغبت دلائی جائے جس کی تدابیر ضروریہ اقتضا کرتی ہیں اور جو لوگوں کے لیے ضروری ہیں اور جن پر عرب وعجم کا اتفاق ہے اور لوگ امور طبعیہ میں تصرف کر کے ایسے پیشے اختیار کریں جن سے رؤسا کی خواہشات پوری ہوں پس ایک قوم لڑکیوں کو ناچنا گانا اور حرکات متناسبہ لذیذہ کے سکھانے کی طرف متوجہ ہو اور کچھ لوگ کپڑوں کے اندر قسم قسم کے خوش رنگ اور طرح طرح کے حیوانات اور درختوں کی صورتیں اور عجیب عجیب نقش ونگار بنانے کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ لوگ سونے اور قیمتی جواہرات میں عجیب وغریب صنعتیں نکالنے کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ لوگ بلند بلند مکان بنانے اور ان کے نقش ونگار کرنے کا پیشہ اختیار کریں۔ پس جب لوگوں کی ایک جماعت کثیر ان پیشوں کی طرف متوجہ ہوگی تو ضروری ہے کہ اسی قدر زراعت، تجارت لوگوں

سے متروک ہو جائے گی اور جب شہر کے امراء ان چیزوں میں روپیہ صرف کریں گے تو اسی قدر شہر کی دیگر مصلحتوں میں کوتاہی ہو جائے گی اور اس سے یہ بات پیدا ہوگی کہ جو لوگ ضروری پیشے کرتے ہیں مثلاً کاشت کار تجار اور اہل صنعت پر تنگی ہوگی اور ان پر زیادہ ٹیکس لگایا جائے گا اور اس میں شہر کے لیے بڑا ضرر ہے جو اس کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک پہنچ کر تمام شہر کو گھیر لے گا۔ اور اس میں اس طرح پھیل جائے گا جس طرح دیوانے کُتے کے کاٹے کا اثر اس شخص کے تمام جسم میں پھیل جاتا ہے جس کو اس نے کاٹ لیا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ابواب ابتغاٰ الرزق)

غرض یہ کہ معیشت کے بنیادی وسائل کا ملک میں متوازن رکھنا ضروری ہے ورنہ ملک اور قوم کی حالت فاسد اور ابتر ہو جائے گی۔ اور اگر ملک میں ایسے پیشے اختیار کئے جائیں جن سے عیش پرستانہ معیشت کو مدد ملتی ہے اور صرف ایسے پیشہ ور دولت کی کمائی کر سکتے ہیں تو اس کا انجام قوم کی ہلاکت اور ملک کی معیشت کی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے اس لیے کہ امراء کا رخ ایسے امور کی طرف ہو جائے گا جو سراسر عبث اور فضول ہونے کے علاوہ ملک کے معاشی نظام کو فاسد بنانے اور برباد کرنے کے مئوثر اسباب ہیں اور پیشہ ور امراء کی خواہشات کو پورا کرنے میں زراعت اور تجارت جیسے اہم اور بنیادی مسائل معیشت کی طرف سے بے توجہی کریں گے اور ملک کے اجتماعی نظام کو خطرات کا سامنا ہوگا اور ملک کی مدنیت مفلس اور قلاش ہو جائے گی۔ تجار اور کاشتکار ٹیکسوں کے بوجھ کے نیچے دب جائیں گے اور ملک اور قوم کی دولت امراء کی خواہشات میں صرف ہوگی۔ اور اسلام تمام بنیادی معاشی وسائل میں مدنی حیات کو اہم جز قرار دیتا ہے اس لیے کہ خام اجناس کی پیداوار کے بغیر تجارت نہیں چل سکتی اور صنعت وحرفت بروئے کار نہیں آ سکتی ہے۔ معاشی وسائل سے الگ ہو کر جس قوم نے عیش پرستانہ وسائل کو اختیار کیا ہے وہ مدنی زندگی میں پھل اور پھول نہیں سکتی ہے۔ اسلام اپنے نظامِ معیشت میں وحدتِ عمومی کا قائل ہے اس

لیے معاشی وسائل میں تقسیم کار اور اشتراک وتعاون کے اصول کو قائم رکھتا ہے۔ زراعت کو تجارت اور صنعت کا معاون بناتا ہے اور صنعت وتجارت کو زراعت کے لیے۔ اگر ان اصول پر معاش کا نظام قائم کیا گیا ہے تو وہ صالح اور مفید تر ثابت ہوگا اور جس نظام میں مذکورہ اصول نظر انداز کئے گئے ہیں تو اس کے بدانجام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر آپ بعض ارباب صنعت وحرفت کو معاشی میدان میں آگے دیکھتے ہیں تو یہ اس ماحول کا نتیجہ ہے جس نے دوسروں میں نفاق ڈالا اور ایک دوسرے کے گلو گیر ہوئے اور ان عیاروں کے صنائع کے محتاج بنے اور اپنی دولت ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔

معاشی وسائل میں اشتراک وتعاون

اسلام اپنے معاشی نظام میں عوام کی خوشحالی کو ضروری اور مقدم رکھتا ہے اور حق معیشت کی مساوات کو تمام ذی روح کائنات کے لیے لازم قرار دیتا ہے اور تمام معاشی طریقوں میں اشتراک اور معاونت کو صحیح اور درست اصول پر قائم رکھتا ہے اور معاشی مسائل میں ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ جوڑنا اور مضبوط رکھنا ہے تاکہ افراد کے مجموعے یا اجتماعی اقتدار کو زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت میں کسی خارجی طاقت کا دست نگر اور محتاج نہ بننا پڑے۔ اسلام معاش کے تمام ایسے طریقوں اور ذرائع کا سد باب کرتا ہے جو حق معیشت کی مساوات میں رخنہ انداز ہو سکتے ہوں یا ایک کا معاش دوسرے کے معاش میں تنگی اور کمی پیدا کرتا ہو یا مضر اور تکلیف دہ ثابت ہوتا ہو اس لیے اسلام نے احتکار اور اکتناز کو حرام قرار دیا ہے۔ احتکار میں ایک مخصوص طبقہ کے لیے دولت جمع ہوتی ہے اور یہ مخلوق خدا کے افلاس اور فقر و فاقہ کا موجب ہے۔ احتکار معاشرہ میں مذموم سرمایہ دارانہ روح پیدا کرتا ہے اور ایسی سوسائٹی یا معاشرہ میں ایسے معاشی نظام کا پیدا ہونا ضروری ہے جو سرمایہ دارانہ اصول کی سر بلندی اور حوصلہ افزائی کرے اور تمام قوت سے ان کے لیے ہر قسم کی سہولت پیدا کرے اور ان کو رواج دے۔ اس لیے اسلام نے کسی شخص اور طبقہ کے لیے دولت کے مخصوص

کرنے کی اور بے ضرورت دولت کو خزانہ بنانے کی اجازت نہیں دی اور اسلامی معاشرے کو سرمایہ دارانہ ذمائم سے محفوظ کرنا چاہا ہے۔احتکار کے معنی اصل میں دولت کو جمع کرنا روکے رکھنا اور معاشرہ کو بدحال اور مفلوک الحال بنانے کا نام ہے دولت کو سمیٹ کر اس کو تقسیم سے روکنا اور دولت کے پھیلانے کی بجائے اس کو اپنے لیے مخصوص کرنا احتکار ہے اور اس کے مقابلہ پر قرآن شریف نے مسلمانوں کو دولت کے تقسیم کرنے اور اس کے انفاق پر مامور کیا ہے۔قرآن شریف نے ارشاد فرمایا ہے **کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم** (تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے)یعنی مذکورہ مصارف دولت کے انفاق کے لیے اس لیے بتلائے گئے ہیں کہ اموال و دولت محض دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں۔جس سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور عام مسلمان مفلس اور نادار ہیں۔

حضرت عمرؓ جابیہ تشریف لائے اور زمینوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہا حضرت معاذؓ نے فرمایا اگر آپ یہ زمینیں غانمیں میں تقسیم کر دیں تو بڑی بڑی جائدادیں خاص خاص لوگوں کے ملک میں چلی جائیں گی اور پھر جو مسلمان آئندہ اسلامی خدمات انجام دیں گے ان کے لئے کچھ نہ رہے گا اس لیے آپ کوئی ایسی صورت سوچیے جو اگلے پچھلے سب مسلمانوں کی خوشحالی کا ذریعہ بنتی ہو۔حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور تمام اراضی کو مسلمانوں کے مصالح کیلئے چھوڑ دیا اسی طرح فتح مصر کے وقت حضرت زبیرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے مصر کی اراضی کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور ان کے جواب میں حضرت عمروؓ نے لکھا کہ زمینوں کو بدستور چھوڑ دیجئے تاکہ ان کے ذریعہ بچہ بچہ جہاد کرے۔ امام ابوعبیدؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کا یہ مطلب سمجھتا ہوں کہ یہ زمینیں مسلمانوں کیلئے محفوظ رکھی جائیں کہ نسلاً بعد نسل ان کا نفع ان کو پہنچتا رہے تاکہ مسلمان اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر قوت اور طاقت میں رہے۔(کتاب الاموال ابی عبیدص ۵۸۔۵۹)وفتح الباری ج۶۔۱۷۷)

قرآن شریف میں ارشاد ہے! ''وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَـنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ‌ ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ۝ ترجمہ (اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سُنا دے عذاب دردناک کی جس دن کہ آگ دھکائے گی اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں کہا جائیگا یہ ہے جو تم نے گاڑ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب چکھو مزہ گاڑ کا) (سورۃ توبہ آیت ۳۴۔۳۵)

یہ درست ہے کہ جمہور کے مسلک کے مطابق قرآن شریف کی یہ مذکورہ وعیدان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے اپنی دولت سے زکوٰۃ کو ادا نہیں کیا لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ بھی اہل دولت کی دولت میں اہل حقوق کے لیے حقوق عائد کیے گئے ہیں اور قرآن شریف میں انفاق کی ترغیب اور ترہیب کے متعلق آیات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ دولت اور ثروت جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ دولت انفاق اور صرف کے لیے، انفرادی اور اجتماعی ضروریات کی کفالت کے لیے ہے۔ اور دولت سے مقصود ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور حاجاتِ لازمہ کا پورا کرنا ہے۔ دولت کا مصرف یہ نہیں ہے کہ اس سے کسی بینک کی دولت میں اضافہ کیا جائے یا دبا کر چھپایا جائے۔ قرآن شریف انفاق کی ترغیب و ترہیب میں انسانی ذہن کو اس طرح تیار کرنا چاہتا ہے کہ دولت سے صرف ضروریات لازمہ کی تکمیل کی جائے اور مسلمان دولت کے احتکار اور اکتناز پر قطعاً توجہ نہ کرے اور اپنی عزیز زندگی کو دولت کی بیشی اور بلندی اور ضرورت سے زیادہ رفاہیت میں باہمی مقابلہ کو معیار حیات نہ بنائے۔

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں۔ ''واضح ہو کہ جب اللہ نے مخلوق کو

پیدا کیا اور انکی روزی زمین میں مقرر کی اور زمین کی چیزوں سے ان کیلئے نفع حاصل کرنا مباح کیا تو ان میں حرص اور نزاع واقع ہوا اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ کسی شخص کا دوسرے شخص سے اس چیز میں مزاحم ہونا جو اس کے لیے خاص ہوگئی ہے حرام ہے خواہ وہ اختصاص اس لیے ہو کہ دوسروں سے پیشتر اس شخص نے یا اس کے مورث نے اس چیز پر قبضہ کیا ہے یا کسی دوسری وجہ سے جس کا لوگوں میں اعتبار ہے بجز تبادلہ یا باہمی رضامندی کے جس کی خبر ہو اور اس میں کوئی مکروفریب نہ ہو اور چونکہ انسان مدنی الطبع ہے ان کی روزی بغیر باہمی تعاون کے قائم نہیں ہوتی اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعاون کے واجب ہونے کا حکم نازل فرمایا اور نیز یہ کہ ان میں سے کوئی شخص اس چیز سے جس کو تمدن میں دخل ہے بغیر حاجت کے خالی نہ رہے۔ پس اسبابِ معیشت کے اسباب بننے میں اصل اصول یہ ہے کہ اموال مباحہ کی مدد سے اپنی مخصوص چیز سے نفع حاصل کرنا ہے جیسے چَرا کر مویشی کی نسل کو بڑھانا اور زمین کی اصلاح کر کے اور پانی دے کر کھیتی کرنا اور مباح مال کو اپنے لیے خاص کرنے اور دوسرے مباح اموال کو اپنے مال کی ترقی کا ذریعہ بنانے میں یہ شرط ہے کہ کوئی شخص کسی پر تنگی نہ کرے جس سے تمدن میں فساد لازم آئے پھر لوگوں کے اموال کا معاش میں مدد کر کے زیادہ کرنا ایسی چیز ہے جس کے بغیر شہر کی حالت کا قائم رہنا یا تو ناممکن ہے یا دشوار۔۔۔ پس اگر مال میں زیادتی چاہنا ایسے کام کے لیے ہے جس کو لوگوں کی معاونت میں دخل نہیں ہے جیسے قمار بازی یا باہمی ایسی رضامندی سے ہے جو زبردستی کے معنی کے ساتھ مشابہ ہے جیسے سود کیونکہ تنگ دست آدمی مجبور ہو کر ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے جس کا ایفا نہیں کر سکتا اور اس کی رضامندی حقیقت میں رضامندی نہیں ہوتی پس یہ عقود فاسدہ اسباب صالحہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ اصل حکمت مدنیہ کے اعتبار سے باطل اور حرام ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بے آباد زمین کو آباد کیا پس وہ اسی کی ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں اصل بات وہ ہے جس میں ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ سب اللہ تعالیٰ کا مال

ہے اور درحقیقت اس میں کسی کا حق نہیں ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو مباح کیا تو باہم جھگڑا پیدا ہوا پس اس وقت یہ حکم ہوا کہ جس نے کسی کو بلا ضرر پہنچائے کسی چیز پر قبضہ کرلیا ہے اس چیز میں اسے کوئی تعرض نہ کرے۔ پس بنجر زمین جو نہ شہر میں ہے اور نہ شہر کے آس پاس ہے پس جب کوئی شخص اس کو آباد کرے گا تو بغیر کسی کو ضرر پہنچانے کے سب سے پیشتر وہ اس پر قابض ہوا پس اس کا حکم یہ ہے کہ کوئی شخص اس سے زمین کو نہ چھینے اور درحقیقت تمام زمین بمنزلہ مسجد یا سرائے کے ہے جو مسافروں کے لیے وقف ہے اور وہ سب اس میں شریک ہیں پس جو پہلے ہے وہی زیادہ حق دار ہے اور آدمی کے حق میں مِلک کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی بہ نسبت وہ نفع حاصل کرنے کا زیادہ حق دار ہے) (حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ابواب ابتغاء الرزق)

حضرت شاہ صاحب کی غرض یہ ہے کہ افراد نسل انسانی کی روزیاں اللہ نے زمین میں مقرر کردی ہیں اور زمین سے روزی حاصل کرنے کا ہر متنفس کو حق دیا گیا ہے۔ اور زمین سے استفادہ کرنے میں نسل انسانی کا ایک ایک فرد شریک ہے۔ اور زمین کی مثال مسجد یا سرائے کی ہے کہ وہ تمام نمازیوں اور تمام مسافروں کے لیے وقف ہے خدا کی تمام زمین خدا کی تمام مخلوق کے استفادہ کیلئے وقف کی گئی ہے البتہ جس نے زمین کے کسی رقبہ پر پہلا قبضہ کیا اور اس کی اصلاح کی اور اس کو کار آمد بنایا تو اس کے استفادہ کرنے کا حق مقدم ہے اور یہ زمین کے مالک ہونے کے معنی ہیں کہ دوسروں کے مقابلہ پر زمین کے آبادکار کو استفادہ کا حق مقدم اور زیادہ ہے۔ سورۃ اعراف میں ارشاد ہے۔ ”**وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝** ترجمہ: (اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور اس میں تمہارے لیے روزیاں مقرر کردیں تم بہت کم شکر کرتے ہو“ (سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۰) اور سورۃ الحجر میں ارشاد ہے ” **وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝** (اور بنا دیے تمہارے واسطے زمین میں معیشت کے اسباب اور وہ

چیزیں جن کو تم رزق نہیں دیتے ہو)'' (سورۃ الحجر آیت نمبر ۲۰)

اللہ تعالیٰ نے تمام معاشی وسائل میں زمین کو سب کے لیے نفع حاصل کرنے میں مباح الاصل پیدا کیا ہے اور ہر فرد کو زمین پر قبضہ کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا حق اس شرط پر حاصل ہے کہ اس کے قبضہ اور تصرف سے دوسروں کو تنگی اور ضرر نہیں ہے۔ اگر کسی نے اپنی ضرورت اور حاجت سے زمین کے زیادہ رقبہ پر قبضہ کیا اور تصرف کرنا چاہا تو وہ دوسروں کو رزق کے بارے میں تنگی دیتا ہے اور ضرر پہنچاتا ہے۔ اس لیے وہ اس وسیع قبضہ اور آزاد تصرف سے روکا جائیگا اور نیز یہ کہ معاشی معاملات میں خصوصاً تعاون اور اشتراک عمل ایسے صحیح اور صالح طریقوں پر ضروری ہے جس سے نظامِ تمدن میں ابتری نہ پھیلے اور ہر ایک دوسرے کا مدد اور معاون بنے۔ اگر کسی شخص نے بغیر تعاون اور اشتراک کے زمین سے استفادہ کرنا چاہا ہے تو اس نے باہمی تعاون اور اشتراک کے عمل اور اصول سے انحراف کیا ہے اس سے تمدن کے نظام میں فساد پھیلے گا اور ابتری پیدا ہوگی۔ اور دوسروں پر تنگی کرنے کا موجب ہے اس لیے اس طرح کا استفادہ صالح استفادہ نہیں ہے اور نیز یہ کہ اسلام کے معاشی نظام میں ایک مومن کو دوسرے مومن سے اسطرح مربوط رکھا گیا ہے کہ ایک کے معاش میں دوسرا اس کی مدد کرے اور ایک کی تنگی میں دوسرا اس کے شریک ہو۔ اگر اس طرح کے اشتراک اور تناصر سے معاشی نظام چلایا جائے کہ ایک مسلمان کی معاشی فراخی دوسرے مسلمان کی معاشی وسعت کا سبب بنے تو یہی وہ صالح نظام ہے جس کو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور کسی مسلمان کو بھی اس طرح معاش قائم کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ اس کی معاشی فراخی سے دوسرے کی معاش میں ضیق اور تنگی پیدا ہوتی ہو اس لیے اسلام ہرگز یہ نہیں پسند کرتا ہے کہ معاشی وسائل پر اس قدر قبضہ رکھا جائے جس سے دوسرے ایمان والوں کے معاش میں تنگی پیدا ہوتی ہے۔ اور استفادہ کرنے کا حق رک جاتا ہے۔ اور ایسی چیز کے استفادہ سے وہ خالی اور الگ رکھا جاتا ہے جس کو تمدن میں دخل ہے اور اس کو

اس سے استفادہ کرنے کا حق اللہ نے دیا ہے اور یہ کہ اسلام اپنے معاشی نظام میں تمام ایسے معاملات کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے جن میں باہمی تعاون کا دخل نہ ہو۔ اگر زمین کا مالک زمین سے پیداوار لینے والے کاشتکار کی مدد اور تعاون نہیں کرتا تو اس کے اشتراک اور تعاون کے بغیر کاشت کار کی محنت اور کمائی کے استفادہ میں زمین کا مالک اس کا شریک کیوں قرار دیا جائے۔ اور اس کو یہ حق کیونکر دیا جائے کہ وہ باہمی اشتراک وتعاون کے بغیر ایک محنت کار کی کمائی میں برابر کا حق رکھتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس مضمون کی طرح حضرت شیخ الہندؒ کی کتاب ایضاح الادلہ سے بھی گزشتہ اوراق میں اس مضمون کی تحریر نقل کر چکا ہوں اور ان دونوں جلیل القدر حضرات کی تحریروں کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو ہر ایک متنفس کیلئے جائز اور مباح کر دیا ہے اور ہر ایک متنفس کو اس میں یکساں حق معیشت دیا گیا ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی انسان پر زمین سے استفادہ کرنے میں اس طرح کی پابندی عائد کر دے کہ وہ زمین سے اپنی معیشت حاصل نہ کر سکے۔ خدا کے دیے ہوئے حق کے چھین لینے کا کسی کو حق حاصل نہیں انسانی معاش میں زمین سے استفادہ زراعت وغیرہ اسلام کی نگاہ میں بہت اہم ہے اس لیے اس موضوع اور اس کے متعلق مخصوص احکام کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

زمین کی آبادکاری اور اس کی اہمیت

اسلام کی نگاہ میں تمام معاشی وسائل میں زمین کی آبادکاری زراعت وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل ہے اور درحقیقت تمام دوسرے معاشی وسائل کی اساسی بنیاد بھی یہی ہے کہ زراعت کے خام اجناس کے بغیر دوسرے معاشی وسائل قائم نہیں رہ سکتے اور کامیابی کے ساتھ آگے نہیں بڑھ سکتے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے ''هُوَ اَنشَاَكُم مِّنَ الاَرضِ وَاستَعمَرَكُم فِيهَا

ترجمہ: (اس نے بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں) (سورۃ ہود آیت نمبر ۶۱) حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا پھر زمین سے غذائیں پیدا کیں جن سے آدمی کی پیدائش کا مادہ بنتا ہے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کے افراد کو زمین میں بسایا اور ان کے باقی رکھنے کا سامان زمین میں پیدا کیا اور زمین کے آباد کرنے اور زمین سے اپنے معاش کے حاصل کرنے پر مامور فرمایا۔ زمین انسانوں کے بسنے کی جگہ ہے اور اس کو کارآمد بنانا انسانوں کا فرض ہے۔ جب آپ کسی کو زمین کی آبادکاری پر مامور کریں اور ذمہ دار بنائیں تو اس وقت اعمر ته و استعمرته کہا جاتا ہے۔ اور امام راغبؒ اور مفسرین نے مذکورہ بالا آیت کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین کی آبادکاری کا ذمہ دار بنایا ہے اور زید بن اسلمؒ تابعی فقیہہ مدینہ متوفی ۱۳۶ھ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے تم محتاج ہو جیسے گھر بنانے نہریں کھودنے اور درخت لگانے وغیرہ تو اللہ تعالیٰ زمین میں ان کے بنانے پر تم کو امر دیتا ہے (روح المعانی سورۃ ہود)

اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں جو انسانی ضروریات میں لازم ہیں اور جانوروں کی ضروریات زمین میں بنادی گئی ہیں اور زمین کی آبادکاری اور استفادہ کرنے سے انسانی معاش کا یہ تمام نظام انجام پذیر ہوگا اور ہوتا ہے اور اس لیے شارعؑ نے زمین کی آبادکاری زراعت وغیرہ کی ترغیب دی ہے۔ صحیح بخاری میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے ”جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندے انسان اور جانور کھاتے ہیں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے“ (بخاری باب فضل الزرع والغرس)۔

رسالت مآب ﷺ کی نگاہ میں زراعت ایسا عمل ہے کہ مزارع کی نیت اور قصد کے بغیر بھی اس سے خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ابن منیرؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ اس عنوان میں زراعت کی اباحت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی جس میں زراعت سے نہی مذکور ہے اور ابو امامۃؒ باہلی کی حدیث میں کہ حضور پاک ﷺ نے کھیتی کے آلات کو دیکھ کر

فرمایا کہ جس گھر میں یہ آلات داخل ہوتے ہیں اس گھر میں ذلت اور مسکنت داخل ہوتی ہے مراد یہ ہے اگر زراعت کا کثرت اشتغال جہاد وغیرہ امور مطلوبہ سے روکتا ہے تو اس کی ذلّت اور ممنوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اگر زراعت جہاد وغیرہ امور مطلوبہ میں ممد ثابت ہوتی ہے تو اس کے حسن اور فضیلت میں بھی کلام نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۵۔ ص ۲)

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ وہ زراعت مذموم ہے جس میں اس قدر انہماک ہو جائے کہ زندگی کے سب سے اہم مقصد جہاد کو چھوڑ بیٹھے۔ تمام انصار اور جن مہاجرین کو رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کی اور دیگر اراضی جاگیریں دی تھیں عہد نبویؐ میں زراعت کرتے تھے اور باغات لگاتے تھے۔ بحرین، عمان، یمن، اور طائف میں تمام حضرات زراعت کرتے تھے اور رسالت مآب ﷺ کو اس کا علم تھا۔ اس لیے ایسی زراعت مذموم ہو سکتی ہے جس کے انہماک سے جہاد جیسے اہم مقصد حیات کو نقصان پہنچتا ہے۔ (المحلی ابن حزمؒ ۸ کتاب المزرعۃ)

اور مفکر اسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں! "واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو خلافت عامہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ کے دین کا دوسرے ادیان پر غلبہ جہاد اور اس کا سامان تیار کیے بغیر ممکن نہیں ہے پس جب لوگ جہاد ترک کر کے بیلوں کی دموں کے پیچھے ہو لیں گے تو ان پر ذلت حاوی ہو جائے گی اور دیگر اہل مذاہب کا ان پر غلبہ ہو جائے گا۔ (حجۃ اللہ البالغہ باب الجہاد)

اس میں شک نہیں کہ اگر مسلمان زراعت کو زندگی کا مستقل مشغلہ بنالیں اور بیلوں کی دم کے پیچھے پیچھے پھریں اور جہاد جیسے اہم فریضہ سے غافل ہو جائیں جیسے کہ زمیندار طبقہ کی یہی زندگی ہے کہ بالا دستوں کی چاپلوسی اور بے جا ناز برداری اور قابلِ افسوس سستی اور قابل نفرت غفلت میں اس طبقہ کے ایاّم گزرتے ہیں تو ایسی زراعت کے مذموم ہونے میں کسی کو بھی شک نہیں ہے اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ زراعت کا اشتغال

ایسے مسلمانوں کے لیے ذلت ہے جو دشمنوں کی سرحد کے قریب آباد ہیں اور دشمن کے دفاع سے غافل اور شجاعانہ فنون سے بے خبر ہیں اور دشمن کا دفاع زراعت کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس لیے جو لوگ دفاع میں مشغول ہیں اور دشمنوں کے قرب وجوار میں آباد ہیں دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے کہ زراعت کے ذریعہ سے ضروریات اور حاجات میں انکی مدد کریں اور بعض حضرات اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے مذکورہ ارشاد میں مستقبل میں ہونے والے تکلیف دہ واقعہ کی خبر دی ہے کہ کاشت کار سب سے زیادہ ظلم اور ذلت کا شکار بنایا جائیگا اور کاشتکاروں کو سب سے زیادہ رسوائی اور مسکنت سے دوچار ہونا پڑیگا اور اس میں شک نہیں کہ آج زمیندار کے ہاتھ سے کاشتکار طبقہ کی جو حالت ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ کہ زمیندار کے رحم وکرم پر اس کی زندگی ہے اور زمیندار کا ظلم وتشدد بحالت مجبوری برداشت کرتا ہے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں" رسول اللہ ﷺ نے مقام جرف میں خود کاشت کی ہے اور فرمایا ہے زمین کی پہنائیوں میں رزق کی تلاش کرو" (مبسوط ج ۲۳۔ص ۲)

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں مذکورہ حدیث کے پیشِ نظر ہمارے بعضے مشائخ نے زراعت کو تجارت پر مقدم اور افضل کہا ہے۔ اس لیے کہ اس کا نفع عام ہے اور اس کا صدقہ خیر کثیر۔" (مبسوط ج ۱۳۔ص ۱۴)

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری بستیوں کو آباد کرو تاکہ ان میں میرے بندے زندگی گزاریں۔ پس اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ زراعت ہر کسی کے ہاتھوں بہتر عمل ہے۔" (مبسوط ج ۱۳۔ص ۱۵)

رسالت مآب ﷺ نے اگر مصالح عامہ اور بنی نوع انسان کی نفع رسانی کے پیش نظر زراعت وغیرہ کی ترغیب فرمائی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ زمین میں کام کرنے والوں کی تمام سہولتوں اور تعاون کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ ورنہ مصالح عامہ اور بنی نوع

انسان کی نفع رسانی کا نظریہ تلف ہو جائیگا۔اور کاشت کاروں کی محنت کی تمام کمائی صرف ایسے مالکان اراضی کے لیے مخصوص ہو جائے گی جن کی تمام زندگی کا صرف یہ ایک مقصد ہے کہ ان کے نفس کی ہوس اور خواہش پوری ہو جائے اور یہ سب سے بڑا مفسدہ ہے اس کو پھیلنے نہ دیا جائے تا کہ عوام کے نظام معاش کو فاسد نہ بنائے۔

زمین پر مِلک کیسے حاصل ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا معاش زمین میں رکھا اس لیے زمین کے کارآمد بنانے پر اس کو مامور فرمایا اور جس نے بھی زمین کو آباد کیا وہ اس کا مالک ہے اور اس کا فوق اور مقدم حق ہے کہ اس سے استفادہ کرے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی نہیں تھی تو اس کو زمین سے معاش حاصل کرنے اور استفادہ کرنے کا زیادہ حق ہے۔حضرت عروہؓ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں مذکورہ ارشاد کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔(بخاری ص ۳۱۴ باب من احیا ارضا مواتا)

سعید بن زیدؓ اور حضرت عروہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ اس کے لیے ہے اور کسی غاصب کا اس میں حق نہیں ہے ۔حضرت عروہؓ فرماتے ہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ زمین اللہ کی زمین ہے اور بندے خدا کے بندے ہیں جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا تو اسی کو اس کا حق ہے۔(ابوداؤد کتاب الخراج والفئی)

حضرت عائشہؓ، عمرو بن شعیبؓ اور طاؤس فرماتے ہیں حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی زمین کو زندہ کیا تو وہ اس کے لیے ہے اور تین سال کے بعد صرف روکنے والے کے لیے اس زمین کا کوئی حق نہیں ہے۔حضرت عمرؓ نے منبر پر بیٹھ کر اعلان فرمایا جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ اس کے لیے ہے اور آباد کیے بغیر صرف روکنے والے کے لیے تین سال کے بعد اس زمین پر کوئی حق نہیں۔امام ابو یوسفؒ متوفی ۱۸۲ھ

مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ہمارے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ جس زمین پر پہلے سے کسی کا حق نہیں تھا اور نہ اس کا کوئی دوسرا مالک تھا تو ایسی زمین کو جس نے آباد کیا وہ آباد کرنے والے کے لیے ہے وہ اس کو کاشت کرے یا کرائے اجارہ پر دے اور جس طرح چاہے آباد رکھے۔" (کتاب الخراج لابی یوسفؒ ص ۶۵)

زمین پر مِلک کا سبب اس کی آبادکاری اور استفادہ کرنے کا قبضہ ہے اس کے بغیر کوئی دوسری وجہ نہیں ہے کہ کسی زمین کا کوئی مالک بنے اگرچہ لوگوں میں یا کاغذات میں افتادہ غیر آباد زمین کسی کے نام منسوب بھی کی جاتی ہے تو اس انتساب اور نامزدگی سے زمین پر ملک قائم نہیں ہوتا اس لیے ایسی زمین کو جس نے آباد کیا اور کارآمد بنالیا صحیح معنوں میں وہ اس کا مالک ہے اور کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچنا چاہیے کہ وہ صرف اس نسبت اور نامزدگی کی بناء پر دوسرے کی آباد کردہ زمین کا مالک بنے اور آباد کار کے استفادہ میں شریک ہوجائے یا آباد کار کے استفادہ کا اس سے معاوضہ لے۔

یحیٰ بن آدمؒ فرماتے ہیں زمین کے روک رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ زمین کو آباد کیئے بغیر روکا جائے۔ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں تحجیر کے یہ معنی ہیں کہ زمین کا گھیرا ڈالا جائے یا اس میں برجیاں بنائی جائیں مگر کارآمد نہ بنائی گئی اور بے آباد پڑی ہو ایسی زمین اسی طرح اگر تین سال تک کسی قبضہ میں غیر آباد پڑی رہی تو جس نے بھی اس کو آباد کیا وہ اس کے لیے ہے اور جس نے روک رکھا تھا اس پر اس کا کچھ حق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تحجیر کرتے تھے زمین کو روکے رکھتے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ اس کے لیے ہے۔ یحیٰ بن آدمؒ متوفی ۲۰۳ھ فرماتے ہیں جس نے کسی زمین کو کارآمد بنائے بغیر روک رکھا تھا تو حضرت عمرؓ نے ایسے روکنے والے کو مالک نہیں بنایا اور صرف تحجیر سے زمین پر اس کا حق تسلیم نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے تین سال تک زمین کو آباد نہیں کیا اور اس کے بعد کسی دوسرے نے اس کو کارآمد بنایا تو وہ زمین اس کے

لیے ہے۔ (کتاب الخراج یحیٰی بن آدمؒ ص ۸۴)

امام ابو عبیدؒ متوفی ۲۲۴ھ لکھتے ہیں زمین کو روکے رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ زمین پر برجیاں بنائی جائیں یا اس کے گرد خندق کھودی جائے یا اور اس قسم کے نشانات لگائے جائیں جن میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ زمین کسی کے قبضہ اور ملک میں ہے مگر ان علامات اور نشانات کے باوجود غیر آباد پڑی ہے اور کارآمد نہیں بنائی گئی۔ اور ان علامات سے مقصود صرف یہ تھا کہ دوسرے لوگوں کو اس زمین کے آباد کرنے سے روکا گیا ہے۔

(کتاب الاموال ص ۲۸۵)

عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے فرمان میں لکھا۔ جس نے مردہ زمین کو مکان بنانے اور کھیتی باڑی کرنے سے آباد کیا اور وہ ایسی زمین تھی جس کو کسی صحیح مالک نے نہیں بیچا تھا تو ایسے لوگوں کو اس زمین کے زندہ کرنے کی اجازت دیجئے جس نے اس زمین کو مکان اور کھیتی باڑی سے زندہ کیا ہے۔ ابو عبیدؒ فرماتے ہیں عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس فرمان میں زمین کے زندہ کرنے کی یہ تفصیل ہے کہ اس پر مکانات تعمیر کیے جائیں یا اس پر کھیتی باڑی کیجائے یا پانی روکنے کے لیے بند بنایا جائے اگر کسی نے ایسا کیا پھر اس پر مکان بنایا یا کھیتی باڑی کی یا درخت لگوائے تو ان تمام صورتوں میں تسلیم کیا جائیگا کہ اس نے اس زمین کو زندہ کیا اور زمین کے زندہ کرنے کے یہی معنی ہیں۔ (کتاب الاموال ص ۲۹۱)

غرض یہ ہے کہ زمین پر کسی کے ملک کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اس کو آباد کیا اور کارآمد بنالیا ہے اور اس کو اس زمین سے استفادہ کرنے کا حق فوق اور مقدم ہے اور کسی زمین کو اپنے نام نامزد کرنا یا سرکاری کاغذات میں کسی رقبہ کا کسی کے نام پر لکھا جانا قبضہ اور ملک نہیں ہے اور زمین کا جو رقبہ کسی صحیح مالک سے خریدا نہیں گیا ہے تو ایسے رقبہ کے آبادکاری اور کارآمد بنانے کے لیے ایسے شخص کو اجازت دیجائے جس نے اس کو مکان بنانے یا کھیتی باڑی کرنے یا باغات لگانے سے آباد کیا ہے یا کرنا چاہتا ہے۔ ملک میں جن زمینداروں

کے پاس بڑی تعداد میں اراضی موجود ہے ان کی آبادکاری ان کے ہاتھ سے اور ان کے اخراجات سے نہیں ہوئی اور نہ ان کے کارآمد بنانے کی ان میں قوّت اور مصارف کی استطاعت تھی۔ایسی زمینوں کو کارآمد بنانے والے محنتی کاشتکار تھے جن کو اپنے معاش کے لیے زمینوں سے استفادہ کرنے کے لیے محنت کرنی پڑی اور اخراجات برداشت کیئے۔اور یہ محنتی کاشتکار افتادہ زمینوں کا آبادکار اور کارآمد بنانے والا ہے اور درحقیقت ایسی زمینوں کا مالک یہی محنت کار کاشتکار ہونا چاہیے اور بڑے بڑے زمین داروں کو ان کی محنت اور ان کی تکلیف کی برداشت میں زمین کے استفادہ اور پیداوار میں شریک حق نہ ہونا چاہیے۔اور یہ فریضہ عادل حکومت کو انجام دینا چاہیے تاکہ حق دار کو اس کا حق پہنچے اور زمین کا مالک اور کاشت کار ایک دوسرے کے گلوگیر نہ ہوں۔یہ درست ہے کہ حکومت اس طرح کی زمینیں مسلمانوں کو معاشی ضروریات کے لیے دے سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان کو قابل انتفاع بنائے اور تین سال انکو کارآمد بنانے کی مہلت دی جائے گی اور اس میں یہ بھی ضروری شرط ہے کہ لازمی ضروریات حیات کے پیشِ نظر مناسب رقبہ دیا جائیگا۔اور اس قدر بڑا رقبہ جس سے کسی کی دولت میں اضافہ کیا جاتا ہے یا اس کی عیش پرستانہ زندگی کے احترام اور باقی رہنے کے لیے دیا جاتا ہے تو مسلمانوں کے مصالح عامہ کے پیش نظر اس کو روک دینا اہل تدبر اور ارباب بست دکشاد کا فرض ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن حارث کی جاگیر کی ضبطی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن حارث مزنی نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جاگیر کی استدعا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا خاصہ رقبہ آپ کو عنایت فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایامِ خلافت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بُلا کر فرمایا آپ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جاگیر میں زمین کا رقبہ چاہا تھا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضانہ عادت کہ جو چیز آپ سے مانگی جاتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عنایت فرماتے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی استدعا پوری کی اور جاگیر

میں جو رقبہ آپ کو دیا گیا ہے اور آپ کے قبضہ میں ہے آپ اس کو پورا سنبھال نہیں سکتے حضرت بلالؓ نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا دیکھو جس قدر رقبہ سنبھال سکتے ہو اس کو روکو اور جو آپ کے بس سے باہر ہے وہ ہمیں دیجئے ہم دوسرے مسلمانوں میں اس کو تقسیم کریں گے حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ کے مطالبہ سے انکار کیا اور فرمایا یہ مجھے حضورﷺ کی دی ہوئی جاگیر ہے حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کے جواب میں فرمایا اور واللہ آپ ضرور ایسا کریں گے پس جس قدر رقبہ کے کار آمد بنانے سے حضرت بلالؓ عاجز تھے حضرت عمرؓ نے ان سے واپس لے لیا اور دوسرے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا (کتاب الخراج لیحی بن آدمؒ ص ۹۳ رقم ص ۲۹۴)

کتاب الاموال میں حضرت بلالؓ کو یہ ارشاد بھی مذکور ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے آپ کو زمین کا یہ رقبہ اس لیے نہیں دیا تھا کہ آپ اس کو دوسرے لوگوں کے استفادہ سے روک دیں بلکہ آپ کو اس لیے دیا گیا تھا کہ آپ اس میں کام کریں یا اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ (کتاب الاموال ص ۲۹۰ رقم ص ۷۱۲)

حضرت بلالؓ کو یہ رقبہ حضور پاک ﷺ نے جاگیر دی تھی اور اس کے ایک حصہ کے آباد اور کار آمد بنانے سے جب حضرت بلالؓ عاجز آ گئے تو حضرت عمرؓ نے اس جاگیر کا غیر آباد حصہ حضرت بلالؓ سے واپس لے کر دوسرے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا تا کہ قابل استفادہ بنایا جائے کیا انگریز کی دی ہوئی ایسی اراضی جس کو جاگیر دار اپنی محنت اور مصارف سے آباد نہیں کر سکتے تھے اور دوسرے محنت کرنے والوں اور مصارف برداشت کرنے والوں کی آباد کاری کا انتظار کرتے تھے یا کرتے ہیں مسلمانوں کے مسلمان فرمانروا کو ایسی جاگیروں کے واپس لینے کا حق نہیں ہے؟ اور نیز حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمین دار کا یہی مفہوم تھا کہ زمین کا مالک اس میں خود کاشت کرے اور کار آمد بنائے اور کاشتکار دو الگ الگ طبقے نہیں تھے اور نیز حضرت عمرؓ کے مذکورہ فیصلہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ تمام افراد نسل انسانی کو زمین سے استفادہ کرنے اور اس سے

معیشت حاصل کرنے میں مساوی حقدار جانتے تھے ورنہ حضرت بلالؓ سے دوسرے مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے آپکی جاگیر کا ایک حصہ الگ نہ فرماتے نیز حضرت عمرؓ کے مذکورہ قضاء سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ملک کی املاک سیاسی اقتدار یا برسرِ اقتدار جماعت کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ ملک کے افراد بھی ملک کی دولت میں شریک ہیں اور ملک کی دولت کے مالک بن سکتے ہیں۔

حضرت طلحہؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جاگیر میں ایک رقبہ دیا اور اس کی سند لکھ کر دے دی اور اس پر بعض حضرات کو گواہ بنالیا جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس سند کو پیش کرتے ہوئے مُہر لگانے کی استدعا کی اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کُل رقبہ دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر صرف تیرے لیے ہے؟ میں اس پر مُہر نہیں لگاتا حضرت طلحہؓ آرزدہ ہوکر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا میں یہ نہیں جانتا کہ خلیفہ آپ ہیں یا حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا بلکہ عمرؓ ہیں (کتاب الاموال ص ۲۷۶ رقم ص ۶۸۵)

حضرت عمرؓ کے انکار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا فرمانروا ملکی اور قومی خدمات انجام دینے والے مسلمانوں کو اس قدر رقبہ جاگیر میں دے سکتے ہیں جو اس کے لوازمات حیات کے لیے ضروری ہیں اور نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا معاشی نظام سوشلسٹ معاشرہ کی طرح ڈکٹیٹر اور عامرانہ نظام نہیں ہے کہ اگر کوئی فرد اس اجتماعی نظام کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اس کو معاشرہ میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں دیا جاتا ورنہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرمان اور فیصلہ کا انکار نہ کرتے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ سے گرفت ضرور کرتے مگر ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے اور مشورہ کی تصویب فرمائی اور یہ ظاہر کیا کہ سیاسی یا جماعتی اقتدار کی طرح غیر اقتدار بھی مصالح عامہ کو سوچنے اور دخل دینے کا حق رکھتا ہے اور یہ کہ ملک کے عوام کے مصالح کو اقتدار کے مصالح پر

تقدیم کا حق دیا جائے اور نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے معاشی نظام میں سوشیلسٹ خونخوار کی طرح ملک کے ذرائع پیداوار پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ تعاون اور اشتراک باہمی سے معاشرہ کے نظام کو ترتیب دیتا ہے اس لیے ملک کے کسی فرد کو حق ملکیت سے محروم نہیں کرتا بلکہ اس کو تسلیم کرتا اور برقرار رکھتا ہے اس لیے کہ حقِ ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے بھی باہمی تعاون ہوسکتا ہے مگر سوشیلزم معاشرہ کو قوت تنقید سے محروم کرنا چاہتا ہے صرف سوشیلسٹ پارٹی کے تصرف میں ملک کے تمام ذرائع پیداوار دینے کی کوشش کرتا ہے اور ملک اور معاشرہ کے نام پر سوشیلزم واحد سیاسی جماعت کے ذریعے سے معاشی وسائل پر قابض ہونا چاہتا ہے اور باقی تمام معاشرہ کو اقتصادی موت مارنا اس کا اعلیٰ مقصد ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے عینیہ بن حصنؓ کو جاگیر میں ایک رقبہ دیا اور اس کی سند لکھ کر دی حضرت طلحہؓ یا کسی اور صاحب نے حضرت عینیہؓ کو کہا کہ حضرت عمرؓ اس پر اعتراض کریں گے یہ اچھا ہے کہ یہ سند حضرت عمرؓ کو پڑھا دو حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے سوا اتنا رقبہ صرف آپ کے لیے ہے اور آپ نے اس سند کو مٹایا حضرت عینیہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس لوٹ کر گئے اور کہا آپ میرے لیے اور سند لکھ دیجئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا جس چیز کو عمرؓ نے رد کر دیا ہے اس کے لیے میں دوسری نئی سند کو نہیں لکھتا۔ (کتاب الاموال رقم ص ۷۷۲۔۶۸۶)

حضرت عمرؓ اپنے زمانہ اقتدار میں سواد کی زمین میں سے کسریٰ اور اس کے خاندان کا مال اور جس کے مالک بھاگ گئے تھے یا ہلاک ہوگئے تھے اور اس کی نوے لاکھ کی آمدنی مصالح عامہ میں صرف کرتے تھے حضرت عثمانؓ نے اس کو اس خیال سے جاگیرات میں تقسیم کر دیا کہ اس کی آمدنی بڑھ جائے گی چنانچہ ایسا ہوا کہ نوے لاکھ کی بجائے پچاس کروڑ اس کی آمدنی ہوگئی تھی اور حضرت عثمانؓ اس میں سے انعامات اور عطیات دیتے تھے۔

اسلام کے اس تمام نظام سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیاسی اقتدار کی طرح

ملک کے افراد بھی معاشی وسائل کے مالک ہوتے ہیں جس کا سوشیلزم انکار کرتا ہے اسلام نے صرف اس قدر تحدید کردی ہے کہ ایک مسلمان معاشی وسائل سے اس قدر استفادہ کرنے کا لازمی حق رکھتا ہے جس قدر اس کو کفایت کرئے اور اس کے علاوہ ان مسلمانوں میں تقسیم کردے جن کو ضرورت ہے تاکہ عام معاشرہ خوشحال رہے اور احتکار و اکتناز کا دروازہ خواہ فرد کے لیے ہو یا جماعتی اقتدار کے لیے ہو نہ کھولا جائے جس طرح کے سوشیلزم میں صرف اپنی پارٹی سوشیلسٹ کے لیے ملک کی دولت کے کل دروازے کھول دیے ہیں تاکہ افراد نسل انسانی کے استفادہ کا حق تلف کیا جائے۔

آج اگر اسلام کے صرف نام پسند مسلمانوں نے جن کے دلوں کی گہرائیوں میں سوشیلزم کا پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے اور سوشیلزم کی پوری حقیقت کو ظاہر نہیں کرتے مگر اندر ہی اندر اس رُخ پر دوڑ رہے ہیں جس رُخ پر سوشیلزم نوازوں نے ان کو لگانا چاہا تھا مگر عوام جانتے ہیں کہ سوشیلزم کے نظریہ حیات کی بنیاد مادہ پرستی اور انقلابی ہے اور سوشیلزم کی پوری عمارت مادہ پرستی اور انقلابی بنیاد پر استوار ہوسکتی ہے اگر بنیاد سے عمارت کو الگ نہیں کیا جاسکتا تو سوشیلزم کی عمارت بھی صرف مادہ پرستی اور انقلابی بنیاد پر قائم کی جاسکتی ہے اور اسلام کے لفظ کے لگانے سے سوشیلزم کے معاشی نظام کی عمارت الحاد مادہ پرستی اور شکست وریخت انقلابی بنیاد سے الگ ہوکر اسلام کی روحانی اور اخلاقی بنیاد پر قائم نہیں ہوسکتی ہے ملک کے افراد اور املاک کے قتل اور غارت گری آتش زدگی نظم ونسق کی تباہی اور افراتفری پیدا کرنا وحشت اور دہشت کو پھیلانا عوام کو رحم وانصاف سے مایوس کرنا اور عوام سے بالجبر اپنے نظریات کو منوانا سوشیلسٹ پارٹی کے سوشیلزم کا مقصدِ حیات اور حربہ ہے کیا ایسے انسان کُش اور تباہ کار اخلاقی نظام کے ساتھ اسلام کے لفظ کے لگا لینے سے سوشیلزم کے ملحدانہ اور غیر اسلامی نظریات کی اصلاح ہوجاتی ہے؟

کاشتکاری

اسلام کے نظام حکومت کا سرسری مطالعہ کرنے والے بھی خوب جانتے ہیں کہ عوام کے معاشی نظام میں اسلام کا یہ امتیاز رہا ہے کہ مفتوحہ ممالک کی اراضی کا بہت بڑا حصہ حکومت کے ہاتھ میں تھا مگر غانمین اور فاتحین کے ہاتھ نہیں رکھا گیا بلکہ مفتوحہ اراضی ملک کے اصل باشندوں کاشتکاروں کے ہاتھ میں چھوڑ دی گئی تھی اور وہ لوگ مزارع یا کاشتکار تھے جن سے براہِ راست حکومت اپنا حق خراج وصول کرتی تھی سرکار اور کاشتکار کے درمیان زمیندار کا کوئی توسط نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ خلفائے راشدین کے زمانہ میں مفتوحہ ممالک کی اراضی کا معاملہ اکثر و بیشتر حکومت ہی کے ہاتھ میں رہا اور حکومت کاشتکاروں سے اپنا حق خراج وصول کرتی تھی اور حسبِ دستور کاشتکار اپنی اراضی کے مالک رکھے گئے مجاہدین اور غانمین کے اصرار کے باوجود اراضی کا کوئی رقبہ ان کو نہیں دیا گیا چنانچہ حضرت زبیرؓ اور حضرت بلالؓ شام اور عراق کی اراضی کے تقسیم کرنے پر خصوصیت کے ساتھ اصرار کر رہے تھے مگر حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور تمام اراضی کو بیت المال کا حق قرار دیا اور مجاہدین جماعت کے لیے اراضی اور اراضی کی پیداوار کو مخصوص نہیں کیا (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۵)

سندھ کا علاقہ جو متحدہ ہندستان کا ایک حصہ تھا اور اس وقت اس کے حدود آج کے سندھ سے زیادہ وسیع تھے ۹۵ھ میں محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں سندھ کا علاقہ فتح ہوا سندھ کی فتوحات صلح سے بھی ہوئی ہیں اور جنگ و جہاد سے بھی اور دونوں قسم کی مفتوحہ اراضی پر بدستور سابق مالکان کا ملک ثابت رکھا گیا اور ان پر خراج مقرر کیا گیا شاہی مقبوضات اور راجاؤں کے املاک اور غیر مقبوضہ اراضی بیت المال میں داخل کی گئی۔ برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اعلان کر دیا کہ مالکان اراضی بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور حجاج بن یوسف نے عراق کے وائسرائے کی حیثیت سے محمد بن قاسم کو لکھا کہ صناع اور

تاجروں پر کوئی محصول یا ٹیکس نہ لگانا۔ اور جو شخص زراعت میں زیادہ توجہ اور محنت کرتا ہے اس کی مدد کرو۔ اور جو لوگ اسلام لائے ہیں ان سے انکی زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ وصول کرو اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے اسی قدر خراج مالگزاری وصول کرو جس قدر اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ سندھ کی تمام مملوکہ اراضی بدستور سابق مالکان کے ملک میں برقرار رکھی گئی اور کسی امیر اور فوجی افسر کے لیے اس میں سے کوئی حصہ الگ نہیں کیا گیا تھا۔ ۳۹۱ھ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں باقی ممالک ہند کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد میں جاری رہا اور اس دور کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جس علاقہ کو فتح کیا اور اس کے راجہ سے اطاعت اور خراج کا وعدہ لے کر اس کو معافی دے دی اور اس کا علاقہ اس کے ہاتھ میں دیا مگر ہمیشہ ان راجاؤں نے غداری کی اور خراج دینا بند کر دیا اور مقابلہ کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے لاہور کا راجہ جے پال کئی مرتبہ اس طرح گرفتار ہوا اور اس کے بیٹے انند پال نے بھی اسی طرح کیا۔ آخر کار ۴۱۲ھ میں راجاؤں کی مسلسل بد عہدیوں کے تجربہ کے بعد پنجاب کا صوبہ سلطنت غزنی کے ساتھ ملحق کر دیا گیا اور اپنے عُمال اور حُکام بھیج دیے گئے مگر مالکان اراضی اپنی زمینوں پر بدستور مالک اور قابض رہے اور حکومت کے عُمال نے کاشتکار زمین داروں سے سرکاری خراج مال گزاری وصول کی ہے ۵۶۵ھ میں محمود غزنوی کے پوتے ابراہیم نے دھلی، آگرہ، اودھ، گجرات کاٹھیاوار علاقوں کو فتح کیا اور اس تمام دور میں ایک ہی طریقہ رہا کبھی راجاؤں کی معرفت کاشتکار مالکوں سے خراج وصول کیا ہے اور کبھی حکام کی معرفت، اس خاندان کے بعد سلطان شہاب الدین غوری کا دور آیا بنگال، آسام، تبت اس دور کی فتوحات ہیں اور اس دور میں بھی وہی دستور رہا جو سلاطین غزنی کا تھا اور اس دور میں، پنجاب، سندھ، ملتان حکومت سے ملحق کر دیے گئے اور قطب الدین ایبک ہندستان میں گورنر کی حیثیت سے رہا۔ ۶۸۸ھ میں خاندان خلجی کا دور شروع ہوا اور اس دور میں دکن، مدراس میسور کے علاقے فتح ہوئے۔ راجاؤں کو ان کی

ریاستوں پر بحال رکھا اور ان سے خراج لیا گیا ہے۔ ہندستان کی فتوحات کے مختلف ادوار ہیں مگر کسی دور میں بھی یہ معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ کہ مفتوحہ اراضی فاتحین میں تقسیم کی گئی ہے اور نیز یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ مفتوحہ اراضی سے مالکان اراضی بے دخل کر دیے گئے اور ان کی اراضی بیت المال میں داخل کر دی۔

اس تفصیلی ذکر سے میری مراد یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت نے اراضی کے مالکان سابق کا ملک برقرار رکھا ہے اور کاشتکار سے حکومت نے براہِ راست خراج وصول کیا ہے اور یہی کاشتکار زمیندار کہلاتے تھے اسلام نے غیر مسلم ذمی کاشتکار کو مال گزار زمیندار کی حیثیت میں رکھا ہے اور ان پر ہر طرح کے جبر اور سختی کو روکا اور سرکاری مال گزاری کے سوا کاشتکاروں پر کسی قسم کے دوسرے حق رکھنے کا روادار نہیں ہوا۔ کیا اسلام سے مسلمان زمیندار یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ کاشتکار کو محکوم اور سرمایہ داری کے اضافہ کرنے میں کارآمد پرزہ بنائے رکھے اور جس طرح چاہے استعمال کرے اور کاشتکار پر ہر قسم کی سختی اور بیگار لینا اس کا حق سمجھا جائے؟ جن حضرات علماء نے مزارعت کی اجازت دی ہے اور زمیندار اور کاشتکار کے دو الگ طبقے تسلیم کیے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ زمیندار اور کاشتکار کے درمیان مزارعت کا معاملہ شرکت اور مضاربت کا معاملہ ہے اور مزارعت کی یہ پوری حقیقت ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک زمین، مال، مضاربت کی مانند ہے جیسا کہ مضاربت میں ایک آدمی کسی کو اپنی دولت دیتا ہے اور نصف اور ثلث کا حصہ لیتا ہے اور دونوں باہم نفع میں شریک ہیں (کتاب الخراج ص ۱۱)

جس طرح مضاربت تجارت کے باہمی تعاون اور اشتراک کی بہترین شکل ہے اسی طرح مزارعت باہمی تعاون اور اشتراک سے تجارت کی صورت ہے زمین دار کو دوسرے فریق کاشتکار پر کسی طرح کا مزید حق اور فضیلت نہیں ہے اور مقررہ حق سے زیادہ اور اس زمین میں محنت کے علاوہ کاشتکار سے دوسری طرح کا کام لینا اور اس پر سختی اور تعدی کرنا

زمیندار کا حق نہیں ہے مزارعت زمیندار اور کاشتکار کے درمیان امداد و باہمی یا اشتراک وتعاون کی پسندیدہ شکل ہے اور دونوں فریق میں سے جس فریق کی حاجت اور ضرورت زیادہ ہے اور محنت کے سوا اور کوئی ذریعہ اس کے پاس معاش کا نہیں ہے بلکہ اس کی دولت اور اس کا معاش صرف اس کی محنت ہے جیسا کے زمیندار کے مقابلہ پر کاشتکار کا یہ حال ہے تو اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات کا معاملہ کیا جائے اور اگر زمیندار کاشتکار کی شدید حاجت اور ضرورت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے لیے اس سے مفید شرطیں منواتا ہے تو اس قسم کی مزارعت کے لیے اسلام کے معاشی نظام میں کوئی جگہ اور گنجائش نہیں ہے۔

حضرت علامہ عبدالرحمان الجزائریؒ مزارعت کے جواز اور عدم جواز میں ائمہ فقہاء کے اختلافات پر تفصیلی بحث کے بعد زمیندار اور کاشتکار کے باہمی سلوک پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ("اور جب کہ یہ حال ہے جو ابھی مذکور ہوا تو ہمارے لیے فریقین کی دونوں رایوں کے درمیان ہمارے زمانہ کے موجودہ حالات کے ہوتے ہوئے تطبیق دینا ممکن ہے اور یہ کہ لوگوں کے مصالح اور منافع کے مناسب فریقین کی دورایوں میں سے کسی ایک کو پسند کریں۔ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ وہ کاشتکار کی شدید حاجت اور ضرورت کا انتظار کرتے ہیں اور اس کو اراضی زراعت کے لیے نہیں دیتے مگر جب اس کو مجبور دیکھیں اور اس پر بوجھ ڈالیں اور جب کاشتکار ضرورت سے مجبور ہو کر کاشت کے لیے آمادہ ہوتا ہے تو زمیندار ایسی شرطوں پر زراعت کے لیے اس کو زمین دیتے ہیں کہ وہ نقصان میں پڑ جائے اور اس کی کاشتکاری کا نتیجہ صرف زمیندار کو پہنچ جائے اور کاشتکار سے جو مال اور عمل کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا تو زمیندار اس معاہدہ سے زیادہ زمین کی پیداوار پر اس طرح تسلط جما لیتا ہے اور یہ طریقہ شریعت اسلامی کی نظر میں جائز نہیں ہے اس لیے کے شریعت اسلامی مضطر کی پریشان حالی کی حمایت اور کمزور کام کرنے والے کاشتکار کی مدد کو واجب کرتی ہے لہٰذا لوگوں کو ایسی مزارعت سے جس میں کاشتکار کو ایسی محنت کے مناسب پھل سے دور اور

محروم کردیا اور کاشتکار کی حاجت کو اپنی دولت کے ازدیاد کا آلہ کار بنا لیا ہے۔روک دیا جائے اور ڈرایا جائے۔

اور ایسے حالات میں مالکیہ کی رائے اور مسلک کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے جس نے پیداوار میں ہر دو فریق زمیندار اور کاشتکار کے لیے مساوات کو شرط کیا تھا لیکن جب زمیندار اور کاشتکار ہر دونوں کا ارادہ نیک اور خیر ہے کہ ہر ایک اپنی زمین اور محنت کے پیش نظر اپنے اپنے واجبی حق کو حاصل کریں زمیندار اپنے فرض اور حق میں بددیانتی نہ کرے اور کاشتکار اپنے فرض محنت وعمل میں خیانت نہ کرے اور مزارعت کا معاملہ مصالح وقت اور معاشی ضرورت کا تقاضا ہے تو ایسے فقہا کے فتویٰ پر مزارعت کی اجازت دے دی جائے جو مزارعت کے جواز کے قائل ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۳۔ص ۲۰)

غرض یہ کہ مزارعت کو ارباب علم وفقہہ باہمی امداد اور اشتراک کی صورت قرار دیتے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ زمین کا مالک اور کاشتکار زراعت کے تمام مصارف ضروریہ میں ایک دوسرے کے برابر کے شریک ہوں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ زمین کا مالک کاشتکار پر ظلم اور تعدی کرتا ہے اگر کھیتی باڑی کی بہتری کے مصارف میں کاشتکار کے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔

اسلام تعاون اور امداد باہمی کا حکم کرتا ہے

سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ''**وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى** ص **وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** ص ترجمہ:اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر'' آیت نمبر۲) اگر کوئی شخص یا جماعت خدا کی مخلوق کے جائز اور ضروری تصرفات اور عزت نفس اور فکر ونظر کی حُریت اور مخلوق خدا کی بے لوث اور رضا کارانہ امداد وتعاون کو روک دے اور خدا کی مخلوق کی مار دھاڑ لوٹ کھسوٹ اور ظلم وتعدی کو روا رکھے جیسا کہ یہ تمام ذمائم سوشیلزم کی حیات کے مقاصد ہیں تو جماعت اسلام کو اس کے روکنے کی یہ تدبیر ہے کہ اس کے ظلم اور عدوان کی اعانت نہ کرے بلکہ سب مل کر نیکی اور

پرہیزگاری کا مظاہرہ کریں اور اس کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں۔ اور اس نظام کو رواج نہ ہونے دیں جس کو اسلام کے مقابلہ پر قائم کرنا اس شخص یا جماعت کا نصب العین ہے۔ اگرچہ سوشیلزم اپنے نظام کی تبلیغ کو اشتراک اور تعاون کے دلکش اور پسندیدہ نام سے ظاہر کرتا ہے مگر یہ سراسر دھوکہ ہے سوشیلزم کی تہہ میں جبر واستبداد اخلاقی اور روحانی تباہی اور روٹی اور پیٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ تعاون اور امداد باہمی کے ابواب جس طرح اسلام نے کھول دیے ہیں سوشیلزم کو شائد اس کے سوچنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۷۷ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ ، (نیکی کچھ بھی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف" یہود اور نصاریٰ بیت المقدس کی طرف مغرب اور مشرق کی طرف منہ کرتے تھے اور اس کو نیکی سمجھتے تھے اور فخر کرتے تھے قرآن شریف نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک عقائد اور اعمال ضروریہ کا احترام اور پابندی نہ کی جائے صرف مشرق یا مغرب کی جانب سے بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے صرف اپنے خیال اور اپنی خواہش سے کسی کام یا نظام کو نیکی سمجھنا اور دوسروں کو بتلانا کہ وہ نیکی ہے بھلائی اور نیکی نہیں ہے بلکہ وہ خواہش نفس ہے اور حرص اور ہویٰ کا ذلیل جذبہ ہے۔ نیکی یہ ہے۔"

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَ الۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ لا وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ج وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ج وَالصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِیۡنَ الۡبَاۡسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ o

ترجمہ: (جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر

اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیز گار)''(سورۃ البقرہ آیت نمبر۱۷۷)

مذکورہ عقائد اور اعمال، اوصاف اور اخلاق حمیدہ نیکی اور بھلائی اور ہدایت کا اثر اور مغفرت کا سبب ہیں تعاون اور امداد باہمی جس سے معاشرہ آسودہ اور خوشحال بنتا ہے اور باقی رہ سکتا ہے یہ ہے کہ مال کی رغبت اور محبت کے باوجود مذکورہ اصناف میں اس کا خرچ اور انفاق کیا جائے اور یہ تب ہی ہوگا کہ معاشرہ میں ارباب ثروت واملاک موجود ہوں اور جو مسلمان کفار کی قید میں ہیں ان کی رہائی میں یا جو مقروض ہیں اس کو قرض خواہ سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرانے میں یا غلام مکاتب کو خلاصی دلانے میں مال کو خرچ کرنا نیکی اور بھلائی ہے۔ارباب ثروت کو اہل حاجات اور اقارب کی ضروریات میں اور مسلمان سے قرض کے بوجھ اُٹھانے میں اور ایک انسان کو غلامی کی قید و بند سے آزاد کرانے میں دولت کو خرچ کرنا تعاون اور امداد باہمی ہے اور مظلوم اور عاجز مسلمان کا ارباب تمول پر اللہ تعالیٰ نے یہ حق رکھا ہے اور مذکورہ اصناف کے لیے قرآن شریف نے ارباب دولت کے اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ مذکورہ حقوق عائد کئے ہیں اس لیے کہ مذکورہ انفاق کے بعد زکوٰۃ کے دینے کا امر کیا ہے۔

سید آلوسیؒ اور حضرت جصاصؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے امر اور ذکر سے قبل مذکورہ صدقات نوافل کا ذکر کیا گیا ہے اور صدقات واجبہ کی زکوٰۃ کے ذکر سے پہلے تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ زکوٰۃ کے علاوہ اہل ثروت کو مذکورہ حقوق کے ادا کرنے پر انگیخت کے ساتھ ساتھ یہ بھی تنبیہہ کرتا ہے کہ اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ ایسے حقوق رکھے گئے ہیں کہ وہ ابدی

ہیں اور زکوٰۃ کی طرح ان کی تقدیر نہیں کی گئی ہے اور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ معاشرہ میں جب افراد کی حاجت ضرورت کی حد تک پہنچ جاتی ہے تو لوگوں پر واجب ہے کہ اہل ضرورت کی ضروریات رفع کرنے میں ان کی ضرورت کے مطابق انکی امداد کریں اگر چہ ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہو اور ہر شخص کا فرض ہو جاتا ہے کہ حسبِ استطاعت ان کے معاش میں تعاون اور امداد کرے۔ فاطمہ بنت قیسؓ فرماتی ہیں رسالت مآب ﷺ نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے اور رسالت مآب ﷺ نے استشہاد کے لیے سورۃ البقرۃ کی مذکورۃ آیت تلاوت فرمائی اور بخاریؒ نے بھی ابی ہریرہؓ کی روایت سے فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کی طرح مذکورہ حدیث کو روایت کیا۔ (روح المعانی۔ احکام القرآن)

تعاون اور امداد باہمی یہ ہے جس کا ذکر قرآن شریف نے کیا اور اسلام معاشی نظام میں اس کو قائم رکھتا ہے کہ ارباب دولت کو بنی نوع انسان کی معاشی امداد اور تعاون کا احساس دلایا گیا اور اس کے اختیار اور ارادہ سے ارباب ضرورت کی معاشی تکمیل پر آمادہ کیا گیا ہے۔ لیکن سوشلزم آرڈیننس اور آمرانہ نظام ہے جس نے ہر شخص کو مزدور بنایا ہے اس سے کام لیتا ہے۔ اور اس کو پوری مزدوری نہیں دیتا اور اس کو اس کے اختیار اور ارادہ سے روک دیا ہے وہ اپنی کمائی میں اپنے اختیار اور ارادہ سے کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا اور اس کے فکر و نظر کو سلب کر لیا گیا ہے وہ اپنی اور دوسروں کی بہتری کو اپنے فکر و نظر سے نہیں سوچتا بلکہ وہ اس طرح اور اس طرف چلے گا جس طرف چلایا جاتا ہے۔ اور اس کام کو انجام دے گا جو اس سے لیا جاتا ہے۔ کیا انسانی عزت و شرف اور اختیار و قدرت پر اس سے بڑھ کر ظلم اور تعدی اور ذلت ہے؟ سوشلزم کی پارٹی سوشیلسٹ معاشرہ کا مستبد آمر سرمایہ دار بڑا اژدہا ہے جس نے معاشرہ کو نگلنے کے لیے منہ کھولا ہے۔

اسلام کے معاشی نظریات

(۱)۔ اسلام ایسے معاشی نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے جس سے نسل انسانی کے افراد کی

حاجات اور ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے اور معاشیات کو دولت مندوں کے لیے مسابقت کا میدان نہیں بناتا بلکہ معاشیات کے وسائل کی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے۔

(۲)۔ اسلام احتکار اور اکتناز کو حرام کرتا ہے۔ دولت کو اپنے لیے مخصوص کرنا اور خزانہ بنانے کو منع کرتا ہے۔

(۳)۔ اسلام دولت مندوں کی دولت میں صدقات واجبہ کے علاوہ ارباب ضرورت کے لیے حقوق قائم کرتا ہے۔

(۴)۔ اسلام یہ بتلاتا ہے کہ دولت جمع کرنے اور خزانہ بنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ دولت جائز طریق پر صرف کرنے اور انفاق کے لیے ہے اس لیے اسلام دولت کے انفاق پر بار بار امر اور اصرار کرتا ہے۔

(۵)۔ اسلام نسل انسانی کے تمام افراد کی معیشت کو زمین میں ودیعت بتلاتا ہے مگر اس کے ساتھ کسی انسانی فرد کیلئے اس کی معیشت کا حصہ اس میں محدود اور متعین نہیں کرتا اس لیے کہ نسل انسانی کے تمام افراد کو زمین سے اسلام معیشت کا مساوی حق دیتا ہے۔ اسلام انسانی افراد کو زمین کے کارآمد بنانے اور آبادکاری پر اس لیے مامور کرتا ہے کہ زمین کے کارآمد بنانے والے کو اسلام زمین سے استفادہ کرنے کا فوق اور زیادہ حق دیتا ہے۔ اور اس وجہ سے اسلام اراضی کے متعلق ایسے احکام دیتا ہے جن میں اسلام کے معاشی نظریات کا نظام قائم اور محفوظ ہو سکتا ہے۔ یہاں مختصراً اراضی کے متعلق اسلام کے دیے ہوئے احکام کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

جاگیرداری

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اور خلفائے راشدین ؓ نے انصار اور مہاجرین اور دوسرے حضرات کو جاگیر میں کچھ رقبے دیے تھے جو انکی سادہ زندگی کے لیے کفایت کرتے تھے مگر ان جاگیروں اور املاک کی قطعاً یہ صورت نہیں تھی کہ دیہات کے

دیہات اور رقبے کے رقبے افراد کے قبضہ میں دے دیے گئے ہوں۔ان حضرات میں بعض اپنی زمینوں میں خود کاشت کرتے تھے اور بعض حضرات دوسروں سے مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔مگر ان کے معاملہ مزارعت میں قطعاً اس تصور کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ ان کے کاشت کار محکوموں اور مزدوروں کی طرح ان کی دولت کے ازدیاد کا ذریعہ اور آلہ کار تھے۔ اس قسم کی زمین داریوں اور جاگیروں کی مثال اسلام کے نظام میں کہیں نہیں ملتی ہے کہ کاشت کار صرف اس لیے ہے کہ زمینداروں کی دولت کو بڑھائے اور ان کی تمام زندگی زمیندار کے رحم وکرم پر ہو اور زمین دار کو ان کے خیر وشر میں پورا اختیار ہو۔

ہندوستان میں جاگیرداری کی یہ صورت تھی کہ جاگیردار کو زمین کے رقبہ کا اور زمین کی پیداوار کا مالک نہ بنایا جائے بلکہ زمین سے جس قدر خراج بیت المال کو حاصل ہوتا ہے اس کا کوئی حصہ یا کل خراج کسی ایسے شخص کو جاگیر میں دے دیا جائے جو خراج کے مصارف میں داخل ہے۔مصالح اسلامیہ میں کام کرنے والا ہے جیسے کہ سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات کو برداشت کرتا ہے۔سلطان محمود کے عہد سے لے کر شہاب الدین غوری کے عہد تک حکومت کا نظام اس قسم کی جاگیرداریوں پر قائم رہا۔اور شہاب الدین غوری نے سرکاری حکام کو خراج کے وصول کرنے پر اس طرح مامور کیا تھا کہ ایک ریاست کے چھوٹے چھوٹے حصے کر کے مسلمان سرداروں کو بطور جاگیر دے دیے کہ وہ اپنے علاقہ کا خراج وصول کریں اور اس کا کچھ حصہ بیت المال میں داخل کریں اور باقی اپنے مصارف میں صرف کریں۔اور یہ جاگیر سرداروں کی خدمات کا صلہ تھا اور ان کی تنخواہیں تھیں ۔ہوتے ہوتے اکثر فوج کی تنخواہ جاگیر کی صورت میں دی جانے لگی اور افسران فوج کو پنج ہزاری اور دوازدہ ہزاری کے منصب عطا ہوتے تھے۔علاؤ الدین خلجی نے اس قاعدہ کو منسوخ کیا اور نقد تنخواہوں کا قانون نافذ فرمایا اور خراج مقاسمہ بٹائی کردی گئی۔یعنی بجائے نقدی کے خراج میں جنس لیا جاتا تھا۔سلطان غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق کے عہد میں بھی

اس طرح کا نظام رہا اور فیروز تغلق نے پھر جاگیروں کی صورت میں تنخواہوں کو جاری کر دیا۔ خاندان تغلق کی حکومت میں ضعف آیا اور جاگیردار اپنی جگہ خود مختار بن گئے ۸۰۷ھ سے لے کر ۹۶۰ھ تک مختلف خاندانوں کی حکومت رہی پھر طوائف الملو کی شروع ہوئی اور ایک ایک امیر خود مختار ہو گیا۔ ایران سے ہمایوں کی واپسی پر خاندان مغلیہ کا دور آیا مگر اورنگ زیب کے بعد زوال شروع ہوا اس وقت تمام جاگیردار خود مختار بن گئے اور پورا اخراج اپنے لیے وصول کرنے لگے مالکان اراضی پر ظلم کیا اور ان کے املاک کے جبراً مالک بن بیٹھے۔ انگریزوں نے جب قبضہ جمالیا تو ان جاگیرداروں کو مالک تسلیم کیا۔ بنگال میں وہ جاگیردار زمین دار کہلاتے تھے اور اودھ گجرات میں تعلق دار کہلاتے تھے۔ انگریزوں نے ان کی جائدادوں پر ان کو بحال رکھا اور انہی سے مال گزاری وصول کر لی اور جو اصل مالکان اراضی تھے کاشت کار بنائے گئے اور کاشت کاروں کی محنت اور عمل کو زمینداروں نے اپنی دولت اور سرمایہ بنایا اور دور دور تک بڑے بڑے علاقے اور گاؤں زمینداروں کے قبضے میں رہے اور کاشت کاران کے محکوم اور ان کی دولت میں اضافہ کا سبب اور اغراض کا ذریعہ بنتے رہے۔ اور جاگیرداروں کی ریاستیں اور زمینداریاں بنتی رہیں۔ اس قسم کی زمینداری اور جاگیرداری کے لیے اسلام کے معاشی نظام میں کوئی مقام نہیں ہے۔ اس طرح کی زمینداری کا وہ تصور جو سرمایہ دارانہ نظام میں پایا جاتا ہے کہ کاشت کار معمولی معاش کے لیے تباہ حال رہے اور زمین کے لگان سے زمیندار عیش و عشرت کی کرسی پر صدر نشین ہو، اسلام اس کے جواز کے حق میں مطلق نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کی زمینداری احتکار اور اکتناز کی ایک شکل ہے جس کا اسلام انسداد کرنا چاہتا ہے۔

اسلام میں زمینداری کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ ضروری اور سادہ معاش کے حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس طرح تجارت میں مضاربت کا معاملہ کیا جاتا ہے اسی طرح زمیندار اور کاشت کار دونوں شریک معاملہ کی حیثیت سے زمین میں لگان

یا بٹائی کا باہمی معاملہ کر سکتے ہیں۔

ضروریات معاش سے زائد اراضی

زمین بنیادی وسائل میں سب سے بڑا اہم وسیلہ ہے اور حق تعالیٰ نے انسانی معیشت کو اس میں قائم کیا اور نسل انسانی کے ایک ایک فرد کو زمین سے روزی حاصل کرنے پر مامور کیا ہے۔ اور کسی فرد کیلئے زمین سے اسکی معیشت کی کوئی خاص حد متعین اور مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے نسل انسانی کے ہر فرد کو زمین سے اس قدر معیشت لینے کا حق دیا گیا ہے جس قدر کہ اس کو ضرورت ہے۔ اور جو اس کی ضرورت سے زائد زمین ہے اس سے کسی فرد کو استفادہ کرنے سے روکنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ بلکہ جس قدر رقبہ سے خود کاشت کی صورت میں استفادہ کیا جا سکتا ہے اس سے زائد رقبہ اپنے قبضہ میں نہیں رکھا جائے گا اور کسی ایسے کو مفت استفادہ کے لیے دیا جائے گا کہ اس کے معاش کی کفائت کرے۔

رافع بن خدیج ؓ فرماتے ہیں حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو زمین کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو اپنی زمین کا اس قدر حصہ اپنے بھائی کو عطیہ میں دینا چاہیے یا اس کو کاشت کے بغیر خالی چھوڑ دے (ابوداؤد باب التشدید فی ذالک)

جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں بعض صحابہ ؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ زمینیں تھیں تو حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پاس ضرورت سے زائد زمین ہے پس اس کو خود کاشت کرے یا دوسرے بھائی کو عطیہ میں دے دے ورنہ اس کو خالی از کاشت روکے (صحیح مسلم باب کراء الارض)

ابی ہریرہ ؓ فرماتے ہیں حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پاس زمین ہے پس اس کو کاشت کرے یا دوسرے بھائی کو دے دے اگر ایسا کرنا نہیں چاہتا تو اس کو خالی از کاشت روکے۔ (بخاری باب ما کان مَن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یواسی بعضھم بعضا)

رسالت مآب ﷺ مذکورہ ارشادات میں یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ زمین سے

معاشی استفادہ صرف اس صورت میں کیا جائے کہ وہ خود اس میں کاشت کرے اور اپنی ضرورت کے مطابق استفادہ کرے اور اگر اس کی حاجت سے زائد اراضی اس کے قبضہ میں ہے تو وہ کسی ایسے دوسرے کو عطیہ میں دے جس سے وہ اپنی حاجت کو پورا کرے اور اگر وہ زمیندار ایسا کرنا نہیں چاہتا تو اس زمین میں سے کسی دوسرے کی محنت اور کاشت کے توسط سے اس سے استفادہ نہ کرے اور اس کو خالی چھوڑ دے۔ رسالت مآب ﷺ کی مراد یہ نہیں ہے کہ زمین کو خالی از کاشت چھوڑ دیا جائے بلکہ زمین سے خود کاشت کرنے کی صورت میں یا اس سے دوسرے کو کاشت کی صورت میں استفادہ کرنے کی تاکید مقصود ہے۔ رسالت مآب ﷺ اس ارشاد میں یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اراضی سے استفادہ کرنا نسل انسانی کے ہر ایک فرد کا حق ہے لیکن استفادہ کرنے کی حد اس کی حاجت اور ضرورت ہے اور ضرورت سے زائد اراضی میں ایسے حضرات کو استفادہ کرنے کا حق دیا جاتا ہے جن کو اپنی محنت سے معاشی ضروریات زمین سے حاصل کرنے کی احتیاج ہے۔ اور نیز رسالت مآب ﷺ کے مذکورہ ارشادات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین سے استفادہ کرنے کا صحیح اور صحت مند طریقہ صرف یہ ہے کہ اس میں خود محنت اور کاشت کی جائے اور خود کاشت کے بغیر اگر شارع علیہ السلام کی نگاہ میں استفادہ کرنے کا کوئی دوسرا پسندیدہ طریقہ ہوتا تو رسالت مآب ﷺ اس کا ضرور ذکر فرماتے اور خود کاشت نہ کرنے کی صورت میں کسی دوسرے کو کاشت کے لیے عطیہ میں دینے کی ہدایت نہ فرماتے۔ اور نیز مذکورہ ارشاداتِ نبوی ﷺ کو اگر زیادہ غور و تامل سے سوچا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ ارشادات نبوی ﷺ میں مذکورہ مضمون سورۃ اعراف آیت ۱۰ (**وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝**) "اور ہم نے زمین میں تمھارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمھارے لئے سامان معیشت پیدا کئے مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو" اور سورۃ الحجر آیت ۱۹ (**وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ**)

"اور زمین کو بھی ہم نے پھیلایا اور اس پر پہاڑ بنا کر رکھ دیے اور اس میں ہر ایک چیز اُگائی اندازے سے" اِن آیات کی جن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو زمین میں بسنے کی جگہ دی اور زمین میں ان کے لیے روزی مقرر کر دی ہے یہ تفسیر ہے کہ افراد نسل انسانی کو زمین سے معاش حاصل کرنے میں مساوی حق ہے اور زمین سے انکو اپنی روزی حاصل کرنی چاہیے۔ اور کسی فرد کو بھی اپنے کفاف سے زیادہ زمین کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا اور کسی دوسرے کو زمین سے اپنی روزی حاصل کرنے سے روکنے کا حق نہیں ہے اس لیے رسالت مآب ﷺ نے مذکورہ ارشادات میں یہ امر فرمایا کہ اپنے کفاف سے زیادہ رقبہ کو اگر اس میں محنت اور کاشت نہیں کر سکتے تو کسی دوسرے کو اس کے کفاف کے لیے کوئی معاوضہ لیے بغیر مفت استفادہ کرنے کے لیے دے دے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں ہم میں بعض لوگوں کے پاس زائد از حاجت زمینیں تھیں اور وہ اپنی زمینوں کو نصف یا ثلث اور ربع پیداوار کے معاوضہ پر دوسروں کو دیا کرتے تھے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا جس کے پاس اس طرح کی زمین ہے تو اسے اس کو خود کاشت کرنا چاہیے یا اپنے دوسرے بھائی کو عطیہ دے اگر وہ انکار کرے تو اس کو روکے۔ اور حضرت حُصیبؓ کے طریقہ سے اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ معاوضہ پر زمین نہ دینی چاہیے۔ امام طحاویؒ حضرت جابرؓ کی اس مذکورہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں دلیل ہے کہ زمین کی کاشت کے جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ مالک زمین اس کو خود کاشت کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ جس کو زمین کا مالک چاہے مفت کاشت کے لیے دے دے۔ اور اس کے سوا تیسری صورت اس کے لیے جائز نہیں ہے اور اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ زمین بٹائی کے معاوضہ پر بھی نہیں دی جا سکتی اور نقدی معاوضہ اجارہ پر بھی نہیں دی جا سکتی۔ (معانی الآثار باب الحرث والمزارعة)

زمین کو کرایہ پر نہیں دینا چاہیے

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے زمین کو کرایہ پر دیا جائے۔(صحیح مسلم باب کراء الارض)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں صحابہؓ اپنی زمینوں کو تہائی چوتھائی اور نصف پیداوار پر دوسروں کو کاشت کے لیے دیا کرتے تھے تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا جس کے پاس زمین ہے وہ خود اس میں کاشت کرے یا کسی کو عطیہ دے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو اپنی زمین کو روکے رکھے۔(بخاری باب الحرث والمزارعۃ)

حضرت جابرؓ مذکورہ ارشادات میں زمین کو کرایہ پر دینے سے مطلقاً رسول اکرم ﷺ کی نہی اور ممانعت کو روایت فرماتے ہیں۔خواہ مزارعت کا طریقہ کچھ بھی ہو مگر اس کا بدل رسالت مآب ﷺ نے اس کو متعین فرمایا کہ یا تو زمین کا مالک اس کو خود کاشت کرے یا دوسرے ضرورت مند کو مفت استفادہ کے لیے دے دے۔مزارعت کی تیسری صورت کی رسالت مآب ﷺ نے ہدایت نہیں فرمائی بلکہ زمین خالی روکے رکھنے کا امر دیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ حضرت جابرؓ کی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں حضرت جابرؓ کی یہ حدیث مزارعت کی ممانعت کی وجہ اور سبب کی تفسیر ہے اور وہ یہ ہے کہ صحابہؓ بٹائی پر زمین کو کاشت کے لیے دیا کرتے تھے اس لیے رسالت مآب ﷺ نے انکو بٹائی پر زمینوں کے دینے سے منع فرمایا۔(فتح الباری ج ۵۔ص ۱۸)

سلیمانؒ بن موسیٰ کے طریقہ سے حضرت جابرؓ کی حدیث اس طرح مذکور ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس کے پاس زمین ہو وہ اس میں کھیتی کرے یا اپنے بھائی کو کھیتی کے لیے دے دے اور اس کو کرایہ پر نہ چلائے۔(صحیح مسلم)

حضرت جابرؓ کی یہ حدیث مختلف اور متعدد طریقوں سے مذکور ہے اور ان تمام طریقوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے زمین کو بٹائی پر اور کرایہ پر دینے سے

منع فرمایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ زمین کا مالک یا اس میں خود کاشت کرے یا اپنے دوسرے بھائی کو مفت کاشت کے لیے دیدے۔اور حضرت بکیرؓ کے طریقہ سے ابن عمرؓ کا یہ بیان مذکور ہے ہم زمینوں کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اور جب حضرت رافعؓ سے ہم نے بٹائی پر زمین کے دینے کی ممانعت سُنی تو ہم نے زمین کو بٹائی پر دینا چھوڑ دیا۔(صحیح مسلم ج ۲۔ص ۱۱، ۱۲ صحیح بخاری جلد اوّل۔ص ۳۱۵)

حضرت جابرؓ اور ابن عمرؓ کے مذکورہ بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ مزارعت کی نہی فرماتے ہیں اور یہ امر دیتے ہیں کہ زمین کا مالک خود کاشت کرے اور اگر وہ کسی وجہ سے خود کاشت نہیں کرسکتا تو اس کو دوسروں کے استفادہ کے لیے مفت دے دے۔حضرت جابرؓ اور ابن عمرؓ کی روایات میں کوئی فقرہ یا جملہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ حضور پاک ﷺ نے مزارعت کی ممانعت کسی ایسی وجہ سے کی ہے جس سے مزارعت فاسد ہوتی ہے اگر رسالت مآب ﷺ کسی فاسد وجہ کی وجہ سے مزارعت کو منع فرماتے تو رسالت مآب ﷺ کے ارشادات میں اس کی صراحت معلوم کرنا ضروری تھا اور اس کو منع کیا جاتا اور نفس مزارعت جائز اور برقرار رکھی جاتی۔مگر رسالت مآب ﷺ کے ارشادات میں علی الاطلاق مزارعت کی نہی کی گئی ہے اور اس کے بالمقابل خود کاشت کرنے کا امر دیا گیا ہے یا زمین کے مالک کو دوسروں کو کاشت کے لیے مفت دینے پر مامور فرمایا گیا ہے۔حضرت جابرؓ حضرت ابی ہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں حقول زمین کے کرایہ کو کہتے ہیں۔(صحیح مسلم ج ۲۔ص ۱۲)

ان حضرات صحابہؓ کی روایات میں علی الاطلاق زمین کو کرایہ پر خواہ بٹائی کی صورت میں ہو یا نقدی کی صورت میں ہو اور خواہ مزارعت کی تفصیل کچھ ہو دینے کی ممانعت مذکور ہے۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا جس

کے پاس زمین ہے اس کو خود کاشت کرے یا دوسروں کو کاشت کے لیے دے دے اور اس کا معاوضہ نہ لے۔ (نسائی ج ۲۔ص ۱۴۳)

حضور پاک ﷺ کا ارشاد کسی سائل کے جواب میں یا مزارعت کے کسی طریقہ کی تفصیل کے جواب میں نہیں ہے بلکہ ایسا حکم ہے جس نے زمین کے خود کاشت کرنے پر یا کسی دوسرے کو مفت کاشت کے لیے صاحب زمین کے دینے پر مامور فرمایا اور زمین کو مزارعت پر دینے سے روکا ہے۔

حضرت رافعؓ بن خدیجؓ نے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا میرے دونوں چچا جو اصحاب بدر ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ حضرت رافعؓ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مخابراہ کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جن کے پاس زمین ہے اس کو خود کاشت کرے یا دوسرے بھائی کو کاشت کے لیے دے دے اور اس کو تہائی یا چوتھائی اور معین مقدار طعام پر کرایہ نہ دے۔

زید بن حارثؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ کرنے سے منع فرمایا اور مخابرہ یہ ہے کہ زمین کو پیداوار کے نصف یا ثلث یا ربع بٹائی پر کاشت کے لیے دیا جائے۔ (ابوداؤد ص ۴۸۲۔۴۸۳)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمدؒ سے زمین کے کرایہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا حضرت رافعؓ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ اُسید بن ظہیرؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس رافع بن خدیجؓ آئے اور کہا حضور پاک ﷺ نے تم کو حقل کرنے سے منع فرمایا ہے اور حقل ثلث اور ربع کی بٹائی کا نام ہے۔ (نسائی، جلد ۲۔ص ۱۵۱۔۱۵۲)

حضرت رافعؓ اور آپ کے دونوں چچا اور حضرت زید بن ثابتؓ علی الاطلاق رسول اللہ ﷺ سے مزارعت کی ممانعت روایت فرماتے ہیں۔ محاقلہ اور مخابرہ کا مفہوم یہ ہے

کہ زمین کا مالک اپنی زمین سے استفادہ کے عوض کچھ وصول کرے اور اس میں محاقلہ اور مخابرہ کے مفہوم میں مزارعت کے طریقہ کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔ مزارعت کی تفصیل یا اس میں کسی قسم کی قید اور شرط ہو یا نہ ہو رسالت مآب ﷺ نے اس کی نہی فرمائی ہے اگر مزارعت کی نہی کرنے میں کسی فاسد شرط کو دخل ہوتا تو حضرت رافعؓ اور آپ کے دونوں چچا اور دوسرے حضرات صحابہؓ مزارعت کے بارہ میں رسالت مآب ﷺ کی صرف نہی کو بیان نہ فرماتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مزارعت کے طریقہ کی تفصیل یا اس شرط فاسد کو ضرور ذکر کرتے اور اس کا ذکر کرنا ضروری بھی تھا تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہوتی اور اشتباہ نہ رہتا۔ مگر مذکورہ حضرات صحابہؓ نے صرف رسالت مآب ﷺ کی نہی کی روایت کرنے پر اکتفا کیا اور اس وقت کے مروجہ طریقہ مزارعت کو ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مزارعت کی نہی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے دستور مزارعت میں خرابی تھی اگرچہ ان کا دستور مزارعت پسندیدہ اور مشروع نہ ہو مگر اس کی اصلاح ممکن تھی اور تبدیل کیا جاسکتا تھا مگر مزارعت کی نہی نہ اس کی اصلاح ہے اور نہ اس کا نعم البدل ہے بلکہ مزارعت کا رواج خواہ کسی صورت میں ہو شارع ﷺ کی نگاہ میں نامشروع اور ناپسندیدہ ہے اس لیے کہ زائد ضرورت زمین کو اپنے قبضہ میں رکھنا اور اس سے استفادہ کرنا دوسرے اہل حاجات کے حقوق کو تلف کرنے کے برابر ہے اور نیز جب زمین کا مالک دوسروں کو بالمعاوضہ کاشت کے لیے زمین کو دیتا ہے اور اس کی ضرورت سے وہ زائد ہے تو اس نے احتکار اور اکتناز کا راستہ اختیار کیا ہے جس کو رسالت مآب ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حضرت اُسید بن ظہیرؓ کا بیان

مزارعت کی بحث میں اسید بن ظہیرؓ کا بیان بہت قابل قدر ہے کہ وہ زمین دار گھرانہ خاندان بنی حارثہ کا ایک معزز فرد ہے اور خود صاحب معاملہ زمیندار ہے اور زمین کے کرایہ کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں آپ نے رسالت مآب ﷺ سے سوال کیا اور

ہر ایک پہلو کے متعلق رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب بھی روایت کرتے ہیں اور آپ کا امر بھی۔ اس لیے حضرت اسیدؓ کے بیان کو میں یہاں پر نقل کرنا لازم سمجھتا ہوں۔ اسید بن ظہیرؓ اپنی قوم کے سامنے آئے اور کہا اے بنی حارثہ! تم پر بڑی مصیبت پڑی لوگوں نے کہا وہ کیا ہے آپ نے کہا حضور پاک ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے ہم نے رسالت مآب ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم زمین کو جنس کے کرایہ پر دیا کریں؟ حضور پاک ﷺ نے فرمایا نہیں۔ حضرت اسیدؓ نے کہا اگر ہم زمین بھوسا چارا کے کرایہ پر دیا کریں؟ حضور پاک ﷺ نے فرمایا نہیں حضرت اسیدؓ نے کہا جو پانی کی نالیوں کے سرے پر زمین ہوتی ہے اس کے بدل کرایہ پر دیا کریں؟ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا نہیں اور فرمایا اس کو خود کاشت کرو یا مفت دوسروں کو کاشت کے لیے دے دو۔ (نسائی شریف، جلد۲۔ ص ۱۴۱۔ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور)

اور اسی طرح مبسوط ج ۲۳۔ ص ۱۱ میں حضرت رافع بن خدیجؓ کا بیان مذکور ہے۔

حضرت اسیدؓ کے استفسار میں مزارعت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر ہے اور رسالت مآب ﷺ نے کسی پہلو سے بھی زمین کو مزارعت کے لیے کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں دی اور یہی ارشاد فرمایا کہ یا تو خود کاشت کرو یا دوسروں کو مفت کاشت کے لیے دے دو۔ اور حضرت رافعؓ کی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہم نے ثلث اور ربع پر مزارعت کی اجازت چاہی تھی تو حضور پاک ﷺ نے اس کی اجازت بھی نہیں دی اور فرمایا کہ زمین کو یا خود کاشت کرو یا دوسروں کو مفت کاشت کرنے کے لیے دے دو۔ حضرت اسیدؓ اور حضرت رافعؓ کے مذکورہ بیانات میں ثلث اور ربع پر مزارعت کے لیے زمین کی اجازت اس سوال کے بالمقابل اور تقسیم کی صورت میں مذکور ہے کہ پانی کی نالیوں کے سرے پر جو زمین ہے اس کی پیداوار کے بدل پر ہم زمین کو کرایہ پر دیں تو حضور پاک ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ پانی کی نالیوں کے سرے پر زمین کی پیداوار کے بدل زمین

کے کرایہ کی نہی کی طرح رسالت مآب ﷺ نے ثلث اور ربع پر بھی زمین کے معاوضہ اور کرایہ لینے سے منع فرمایا ہے اگرچہ اس میں شرط فاسد اور کاشتکار کا خسارا نہیں ہے۔

حضرت شمس الائمہ سرخسیؒ حضرت اُسیدؓ کی مذکورہ حدیث کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں حضرت اسیدؓ نے حضور پاک ﷺ کی نہی کو قوم کے لیے اس طرح مصیبت کہا اور بتلایا ہے کہ بنی حارثہ مزارعت کے طریقہ پر زمین سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ اگر رسالت مآب ﷺ کی نہی کی مُراد ہوتی کہ ان کے معاملہ مزارعت میں فاسد شرط موجود تھی یا کسی مجہول شے پر ان کی مزارعت کا دستور تھا اس لیے حضور پاک ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے تو یہ قوم کے لیے بڑی مصیبت نہ ہوتی اس لیے کہ بنو حارثہ صحیح اور سیدھی سادھی مزارعت کے طریقہ سے بھی اپنی زمینوں سے استفادہ کر سکتے تھے اور یہی مقصود تھا مگر حضور پاک ﷺ کی نہی سے جو بنی حارثہ کے لیے بڑی مصیبت بن گئی ہے۔ اس کی صورت صرف یہی ہے کہ بنو حارثہ دونوں کی محنت اور کاشت کے طریقہ پر زمین کے استفادہ کرنے سے روکے گئے۔ اور خود اِن کو اپنی زمینوں میں کاشت کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ ان پر شاق تھا اور ان کے لیے مصیبت تھی۔ اور بنو حارثہ کو اپنی زمینوں میں رسالت مآب ﷺ کا خود کاشت کرنے کا یا دوسروں کو مفت کاشت کے لیے دینے کا حکم دلیل ہے کہ رسالت مآب ﷺ علی الاطلاق مزارعت کی نہی میں بنو حارثہ پر مزارعت کا سد باب کرنا چاہتے ہیں۔ (مبسوط ج ۲۳۔ص ۱۲)

اور اسی طرح ثابت بن ضحاکؓ مطلقاً رسالت مآب ﷺ سے مزارعت کی نہی بیان فرماتے ہیں۔ (معانی الاثار ج ۲۔ص ۲۵۷)

حضرت رافع بن خدیجؓ کی روایات

سلیمان بن یسارؒ کے طریقہ سے حضرت رافعؓ کا بیان ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ثلث اور ربع پیداوار پر اور معین اناج پر (جنس کے اجارہ پر) زمین کو مزارعت کے

لیے دیتے تھے ایک روز ہمارے پاس میرے چچاؤں میں سے کوئی آیا اور کہا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے زمین کو ایسے کام سے منع کیا جس میں ہمارا فائدہ تھا لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشی میں ہم کو زیادہ فائدہ ہے ہم کو رسول اللہ ﷺ نے زمین کو مزارعت کے لیے ثلث یا ربع پیداوار پر دینے سے منع فرمایا اور حکم فرمایا کہ زمین کا مالک خود اس میں کھیتی کرے یا دوسرے کو کھیتی کے لیے دے دے۔ اور حضور پاک ﷺ نے بُرا جانا زمین کو کرایہ پر دینے پر اور کسی طرح پر (صحیح مسلم ج ۲۔ ص ۱۳)

حضرت رافعؓ کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کی مزارعت سے حضور پاک ﷺ نے مطلقاً منع فرمایا ہے خواہ اس میں کوئی فاسد شرط ہو یا نہ ہو اور جنس کی مقدار بھی متعین ہو اور زمین سے استفادہ کی صرف ایک صورت یہ متعین کی گئی ہے کہ زمین کا مالک اس میں خود کاشت کرے یا دوسروں کو مفت کاشت کے لیے دیدے اور اس کے علاوہ کسی طرح بھی رسول اللہ ﷺ زمین کا کرایہ معاوضہ بُرا جانتے تھے۔

اور ابی النجاشیؒ کے طریقہ سے حضرت رافعؓ کا یہ بیان مذکورہ ہے۔ حضرت ظہیرؓ نے فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسے کام سے روکا جس میں ہمارے لیے بڑی آسانی تھی حضرت رافعؓ نے کہا رسالت مآب ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔ حضرت ظہیرؓ نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بُلا کر فرمایا تم اپنے کھیتوں کو کیا کرتے ہو حضرت ظہیرؓ نے کہا ہم اپنی زمینوں کو نالیوں کے سرے کی پیداوار کے بدلہ یا چند دسق کھجور کے یا جو کی شرط پر دوسروں کو بٹائی پر دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ظہیرؓ کا بیان سُن کر فرمایا ایسا مت کرو خود کاشت کرو یا دوسروں کو کاشت کے لیے دے دو یا کاشت کیئے بغیر اس کو روک رکھو۔ (صحیح بخاری ج اول۔ ص ۳۱۵ صحیح مسلم ج ۲۔ ص ۱۳)

حضرت ظہیرؓ نے اپنی زمینداری کی تفصیل میں جس دستور کا ذکر کیا ہے یہ ان کے معاملہ مزارعت کا دستور تھا کہ مالک اپنے لیے زمین کا ایک حصہ متعین کرتا تھا اور کچھ اس پر

پیداوار کے سوا بھی منواتے تھے مگر رسالت مآب ﷺ نے ان کے دستور اور شرط فاسد کے پیش نظر مزارعت کی نہی نہیں فرمائی ہے بلکہ نفس مزارعت کے معاملہ کو روکتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ اپنی زمینوں کو خود کاشت کرو یا دوسروں کو کاشت کے لیے دو یا کاشت کے بغیر اس کو روک رکھو۔ اگر مذکورہ شرط فاسد کے پیش نظر مزارعت کو روکنا مقصود ہوتا تو رسالت مآب ﷺ شروط فاسدہ کی نہی فرماتے اور مزارعت کے درست اور صالح طریقہ کی ہدایت فرماتے۔ حضرت ظہیرؓ نے اپنی زمینداری کا دستور اور رواج بتلایا ہے مگر رسالت مآب ﷺ نے اپنے ارشاد میں مزارعت سے نہی کرنے میں مروجہ شرطوں پر کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ آپ کے ارشاد میں صراحتاً و اشارتاً کوئی فقرہ ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ ظاہر اور ثابت ہوتا ہو کہ مزارعت کی ممانعت کی بنیاد مذکورہ شروط فاسدہ ہیں بلکہ رسالت مآب ﷺ نفس مزارعت کا معاملہ روکنا چاہتے ہیں اس لیے آپ کے ارشاد میں نفس مزارعت کی نہی مذکور ہوتی ہے کہ شارع کا حکم یا نہی شارع کے حکم سے لیا جاتا ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے ارشاد میں مزارعت کی نہی اور خود کاشت کرنے کا امر ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے ارشاد میں مزارعت کی نہیں اور خود کاشت کے امر کے تقابل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مزارعت کو منع فرماتے ہیں اور زمین کے مالک کو خود کاشت کرنے کا یا دوسروں کو کاشت کے لیے عطیہ میں دینے کا امر فرماتے ہیں۔ حنظلہ بن قیسؓ کے طریقہ سے حضرت رافعؓ کا یہ بیان مذکور ہے کہ مدینہ منورہ کے رہنے والوں میں ہم زیادہ زمینوں کے مالک اور مزارعت کرنے والے تھے اور ہماری مزارعت کا طریقہ یہ تھا کہ ہم میں سے کوئی زمیندار اس شرط پر اپنی زمین کو زراعت کے لیے دیتا تھا کہ زمین کا ایک معین رقبہ اس کے لیے ہے اور اس کا دوسرا قطعہ کاشت کار کے لیے ہے اور کبھی ایک رقبہ پر آفت پڑتی تھی اور کبھی دوسرے پر کبھی ایک قطعہ سے پیداوار ہوتی تھی اور کبھی دوسرے سے تو رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کی مزارعت سے منع فرمایا۔ (بخاری، جلد ا۔ص ۳۱۵ مسلم ج ۲۔ص ۱۳)

حضرت رافعؓ کے اس بیان سے بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ مزارعت کرنے سے رسالت مآب ﷺ نے اس خاص صورت اور طریقہ کی مزارعت سے منع فرمانا چاہا ہے اور جس مزارعت میں اس طرح کی شرط نہ ہو وہ درست اور مشروع ہے لیکن بات یہ ہے کہ سلیمانؒ بن یسار کی طریقہ سے حضرت رافعؓ کا اپنے چچا کے بارہ میں مذکورہ بیان علی الاطلاق مزارعت کی ممانعت میں ہے۔ جس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ مزارعت سے نہی کسی خارجی شرط کی وجہ سے نہیں بلکہ نفس مزارعت سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں! ابن عمرؓ سلیمان بن یسارؒ نافع عمران بن سہیلؒ ابو النجاشیؒ تمام حضرات نے حضرت رافع بن خدیجؓ سے زمین کے کرایہ کی ممانعت کو مطلقاً روایت کیا ہے اور یہ تمام حضرات رواہ حضرت حنظلہؒ سے زیادہ ثقہ ہیں اس لیے ان کے بیانوں پر زیادہ اعتماد کرنے کا حق ہے اور نیز حضرت رافعؓ سے حضرت حنظلہؒ کی روایت میں اضطراب ہے اس لیے بھی حضرت رافعؓ سے مذکورہ دوسرے رواۃ کو زیادہ معتمد سمجھنا چاہیے۔ (المحلی ج ۸۔ص ۲۵۵۔۲۵۸)

حضرت رافعؓ اور آپ کے چچازاد بھائی حضرت اسیدؓ اور آپ کے دونوں چچا حضرت ظہیرؓ اور حضرت مہیرؓ رسالت مآب ﷺ سے مزارعت کی نہی کو روایت فرماتے ہیں اور مدینہ منورہ میں ہی حضرات بنو حارثہ تھے جن کے پاس زیادہ اراضی تھی۔ اور انھی کے گھرانہ میں زمینوں کو مزارعت پر دینے کا رواج تھا اور نیز حضرت رافعؓ کبھی براہِ راست رسالت مآب ﷺ کی نہی کو روایت فرماتے ہیں اور کبھی اپنے چچاؤں کے توسط سے روایت کرتے ہیں اور نیز حضرت رافعؓ کبھی مزارعت سے نہی کی روایت کے ساتھ مروجہ رواج کو بھی بیان کرتے ہیں اور کبھی مروجہ رواج کے ذکر کئے بغیر صرف مزارعت سے نہیں کو روایت کرتے ہیں جیسا کہ سالم بن عبداللہ کے طریقہ سے یہ مذکور ہے کہ رافعؓ بن خدیجؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو بتلایا کہ اس کے دونوں چچاؤں جو بدر میں حاضر تھے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے

زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری باب شہود الملائکہ ج ۲۔ص ۵۷۲)

اس لیے حضرت رافعؓ سے روایت کرنے والوں کی روایات میں اختلاف ہو جاتا ہے کبھی حضرت رافعؓ کی زبان سے مروجہ زراعت کا طریقہ اور زراعت سے نہی دونوں کو روایت کرتے ہیں اور کبھی مروجہ زراعت کے طریقہ کے ذکر کے بغیر صرف زراعت کی نہی کو روایت کرتے ہیں اور نیز حضرت رافعؓ کو رسالت مآب ﷺ سے زراعت کی نہی کا براہِ راست بھی سماع حاصل ہے اور اپنے چچاؤں کے توسط سے بھی آپ کو سماع ہے اس لیے حضرت رافعؓ کبھی براہِ راست مزارعت کی نہی کو رسالت مآب ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور کبھی اپنے چچاؤں کے توسط سے مزارعت کی نہی کو روایت کرتے ہیں اس لیے بعض حضرات علماء کو حضرت رافعؓ کی حدیث میں اضطراب کا شبہ ہوا ہے جیسا کہ ابن رشدؒ نے ہدایۃ المجتہد میں معاملہ مزارعت کے جائز جاننے والوں سے روایت کیا ہے لیکن حقیقت میں حضرت رافعؓ کی حدیث میں اضطراب نہیں ہے اور مزارعت کی نہی کے لیے حضرت رافعؓ کی حدیث حجت ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ نے حضرت رافعؓ کی حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت جابرؓ اور حضرت ابی ہریرہؓ کی حدیث کو ان لوگوں کے اس قول کے رد کیلئے روایت کیا ہے جن کو یہ گمان ہے کہ حضرت رافعؓ مزارعت کی نہی کی روایت کرنے میں اکیلا ہے اور یہ کہ حضرت رافعؓ کی حدیث میں اضطراب ہے۔ امام بخاریؒ اس روش میں کہ حضرت رافعؓ کی حدیث کے مضمون کو حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ حضرت رافع کی حدیث کے دونوں طریقوں کی صحت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور نیز امام بخاری نے یہ بھی ظاہر کرنا چاہا کہ حضرت رافعؓ جب براہِ راست رسالت مآب ﷺ سے حدیث کو روایت کرتے ہیں تو اس میں صرف زمین کے کرایہ پر دینے سے نہی کا اقتصار ہوتا ہے۔ اور جب آپ اپنے چچا کے توسط سے روایت کرتے ہیں تو اس میں

مزارعت کی نہی کی وجہ کی تفسیر ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۵۔ ص ۱۹)

حافظؒ ابن حجر کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے حضرت رافعؓ کے چچا سے ان کے طریقہ مزارعت کی تفصیل دریافت فرمائی تھی اور اس نے اپنی مزارعت کا طریقہ بتلایا تھا حضور پاک ﷺ نے اس کے بتلانے کے بعد ان کو مزارعت کرنے سے منع فرمایا اور زمین کے خود کاشت کرنے کا یا دوسروں کو مفت کاشت کے لیے دینے کا امر دیا تو یہ سمجھا گیا ہے کہ مزارعت کی نہی کی وجہ یہ ہے جو حضرات رافعؓ کے چچا نے اپنے مزارعت کے طریقہ میں ظاہر کیا۔ اور وہ یہ کہ نالیوں کے سرے کی زمین کے بدل اور کھجور اور جو کے چند وسق کے بدلہ وہ حضرات زمین کو مزارعت پر دیتے تھے۔ لیکن حضرت رافعؓ جب براہِ راست رسالت مآب ﷺ سے مزارعت کے متعلق روایت کرتے ہیں تو حضرت رافعؓ مطلقاً مزارعت کی نہی کو رسالت مآب سے روایت کرتے ہیں جس میں مزارعت کے طریقہ کی تفصیل کا ذکر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی نہی نفس مزارعت سے ہے خواہ اس کا طریقہ کچھ بھی ہو ورنہ حضرت رافعؓ اس کے ساتھ مروجہ طریقہ مزارعت کا بھی ضرور ذکر فرماتے تا کہ یہ واضح طور پر معلوم ہو جاتا کہ مزارعت کے اس مروجہ طریقہ کے علاوہ ایسا طریقہ بھی ہوسکتا ہے جس کو رسالت مآب ﷺ کی نہی شامل نہیں اور رسالت مآب ﷺ کے نہی کرنے میں کوئی فقرہ ایسا نہیں تھا جس سے یہ سمجھا جاسکتا۔ کہ رسالت مآب ﷺ کو جو مروجہ طریقہ مزارعت بتلایا گیا تھا اس کی وجہ سے مزارعت کی نہی کی گئی ہے بلکہ حضور پاک ﷺ کے ارشاد سے ظاہر یہ ہے کہ نفسِ مزارعت کو رسالت مآب ﷺ منع کرنا چاہتے تھے اس لیے حضرت رافعؓ نے صرف رسالت مآب ﷺ کی مزارعت سے نہی کو روایت کرنے پر اکتفا کیا ہے اور مروجہ طریقہ مزارعت کے بیان کرنے کو ضروری اور لازم نہیں سمجھا۔

نقدی لگان پر زمین کا ٹھیکہ

حنظلہ بن قیسؓ کے طریقہ سے صحیح مسلم ج ۲۔ص ۱۳ اور صحیح بخاری ج اول۔ص ۳۱۵ میں حضرت رافعؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ زمین کو سونے چاندی نقدی کے عوض کرایہ پر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ حضرت رافعؓ کے اس قول سے بعض حضرات کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ حضرت رافعؓ رسول اللہ ﷺ سے نقد لگان پر زمین کا کرایہ پر دینے کے جواز کو روایت کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ نقد لگان پر زمین کے ٹھیکہ دینے کا رواج عہد نبوی میں نہیں تھا جیسا کہ حضرت حنظلہؓ کے طریقہ سے رافع بن خدیجؓ کا صحیح بخاری ج اول۔ص ۳۱۴ اور مشکل الآثار ج ۳۔ص ۲۸۸ میں یہ بیان مذکور ہے کہ سونا چاندی کے عوض نقد لگان پر عہد نبوی میں زمین کے ٹھیکہ دینے کا دستور نہیں تھا بلکہ حضرت رافعؓ کا یہ مذکورہ قول آپ کا اجتہاد اور قیاس ہوسکتا ہے اور آپ کا یہ اجتہاد اور قیاس بھی ایسا معلوم ہوتا ہے جس پر آپ کو اصرار نہیں تھا۔ اس لیے کہ سلیمان بن یسارؒ کے طریقہ سے حضرت رافعؓ بن خدیج کا یہ بیان مذکور ہے کہ ہم ثلث اور ربع اور اناج کی مقدار معین پر مزارعت کرتے تھے تو رسالت مآب ﷺ نے ثلث اور ربع اور اناج کی معین مقدار پر مزارعت کرنے سے روکا۔ (صحیح مسلم ج ۲۔ص ۱۳)

اگر مزارعت کی نہی کی وجہ یہ خیال کی گئی ہے کہ اس میں فاسد شرط ہوتی تھی یا مجہول شے پر ان کی مزارعت کا مروجہ دستور تھا تو پیداوار کے ثلث اور ربع پر یا جنس کی مقدار معین پر مزارعت کا ایسا معاملہ ہے جس میں فاسد شرط بھی مذکور نہیں ہے اور مجہول شے پر مزارعت کا معاملہ بھی نہیں ہے مگر اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نفس مزارعت کا معاملہ روکنا چاہتے تھے۔ اور نیز عثمان بن سہل بن رافعؓ اور عیسی بن سہل بن رافعؓ کے طریقہ سے یہ مذکور ہے کہ عمران بن سہل بن رافعؒ نے حضرت رافعؓ بن خدیجؓ سے کہا کہ ہم نے فلاں زمین کو دوسو روپیہ ٹھیکہ پر دیدیا

ہے۔ تو حضرت رافعؓ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا اے میرے بیٹے اللہ تعالیٰ اس کے سوا تمہیں اور رزق دیگا اس کو چھوڑ دو رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے (نسائی شریف ج ۲۔ص ۱۴۸۔ابوداؤد شریف ج ۲۔ص ۱۲۷)

حضرت رافعؓ کا اپنے پوتے کو زمین کے نقد لگان پر دینے سے منع کرنا ظاہر کرتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ کے ارشاد میں علی الاطلاق مزارعت کی نہی مراد ہے۔ اس لیے لگان پر بھی زمین کے ٹھیکہ دینے پر بھی حضور پاک ﷺ کی نہی شامل ہے۔ اور کبھی حضرت رافعؓ کو یہ خیال ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں نقدی لگان کا رواج بھی نہیں تھا اور رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ اس سے منع بھی نہیں فرمایا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نقدی لگان پر زمین کے کرایہ دینے کو رسالت مآب ﷺ کی نہی شامل نہ ہو۔

سوال:۔ ابوداؤد اور نسائی شریف میں طارق بن عبدالرحمٰنؒ کے طریقہ عن سعید بن المسیبؒ رافع بن خدیجؓ مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ اور مزانبہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ مزارعت کے صرف تین طریقے ہیں یا تو اپنی زمین میں خود کاشت کرے یا دوسرے کو عطیہ دے یا سونے چاندی نقدی لگان کے عوض کرایہ پر دے۔

الجواب:۔ نسائی شریف میں سفیانؒ عن طارقؒ اس طرح مذکور ہے کہ مذکورہ حدیث میں محاقلہ اور مزانبہ سے منع کرنا رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے اور باقی حصہ سعید بن المسیبؒ کا قول ہے۔ (نسائی ج ۲۔ص ۱۴۴)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں مذکورہ حدیث میں محاقلہ اور مزانبہ سے منع فرمانا حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے اور اس کا باقی آخری حصہ سعید بن المسیبؒ کا کلام ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے بھی مذکورہ حدیث کا آخری حصہ سعید بن المسیبؒ کا قول روایت کیا۔ (فتح الباری ج ۵۔ص ۲۰)

سوال:۔ ابوداؤد شریف میں سعید بن ابی وقاصؓ کی یہ روایت مذکور ہے حضور پاک ﷺ

نے فرمایا سونے اور چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دے دیا کرو اس حدیث سے زمین کو نقدی کے عوض اجارہ یا ٹھیکہ پر دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

جواب:۔ یہ درست ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث سے نقدی کے عوض زمین کی مزارعت کے جائز ہونے کا گمان ہوسکتا ہے مگر حفاظ حدیث کو اس روایت پر اعتراض ہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث کی روایت کے دو طریقے مذکور ہوئے ہیں ایک طریقہ میں عبدالملک بن حبیب اندلسیؒ جو روایت کے لحاظ سے مردہ ہے۔ المحلی ج ۸۔ ص ۲۵۸)

حافظ شمس الدین ذہبیؒ میزان الاعتدال میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں کثیر الوہم ہے اور ابن حزمؒ فرماتے ہیں ثقہ نہیں ہے اور حافظ ابوبکرؒ فرماتے ہیں وہ حدیث کو نہیں جانتا اور بہت سے لوگوں نے اس کو ضعیف کہا ہے اور بعض حضرات جھوٹ کے ساتھ اس کو متہم کرتے ہیں سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث کے دوسرے طریقہ میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لبیبہؒ ہے وہ غیر معروف ہے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون صاحب ہے اور اس کے حالات کیا ہیں۔ (المحلی ج ۸۔ ص ۲۵۸)

جس حدیث کے رواۃ اس قسم کے ہوں اس سے کسی اہم مسئلہ کے لیے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ حافظ شمس الدین ذہبیؒ محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لبیبہؒ کے متعلق لکھتے ہیں محمد بن عبدالرحمٰن سعید بن المسیبؒ سے روایت کرتے ہیں یحیٰ بن معینؒ نے فرمایا وہ کوئی شے نہیں دار قطنیؒ فرماتے ہیں محمد بن عبدالرحمٰنؒ ضعیف ہے قوی نہیں ہے۔

ارباب علم ونظر کا تبصرہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر صحاح میں زمین دار کو خود کاشت کرنے کا یا دوسروں کو کاشت کے لیے زمین دینے کا امر مذکور ہے اور اس کے ساتھ مزارعت کی نہی اور اس پر وعید کی خبر بھی مذکور ہوئی ہے۔ چنانچہ رسالت مآب ﷺ کا اس حال میں حضرت رافعؓ پر گزر ہوا کہ وہ اپنے کھیت کو پانی دے رہے تھے تو آپ نے دریافت فرمایا کھیتی کس کی ہے

اور زمین کس کی ہے حضرت رافعؓ نے جواب میں رسالت مآب ﷺ کو بتلایا کہ یہ کھیتی میری ہے تخم میں نے ڈالا ہے اور محنت بھی میں کرتا ہوں اور زمین کسی اور کی ہے اور پیداوار کا آدھا اس کا ہے اور آدھا میرے لیے ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے یہ سُن کر حضرت رافعؓ سے فرمایا تم دونوں نے سودی معاملہ کیا ہے۔ زمین اس کے مالک کو واپس کر دیجئے اور محنت اور دیگر مصارف کی اجرت زمین کے مالک سے لے لیجئے۔ (ابوداؤد ج ۲۔ص ۴۸۳ و معانی الآثار ج ۲۔۲۵۶)

جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے حضور پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا جس نے مخابرہ کو (مزارعت کو) نہیں چھوڑا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا جائے گا۔ (ابوداؤد ج ۲۔۴۸۳ و معانی الآثار ج ۲۔ص ۲۵۷)

حضور پاک ﷺ کے ان ارشادات سے ظاہر ہے کہ مزارعت کی نہی تنزیہی اور اخلاقی نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات کو گمان ہو رہا ہے بلکہ مزارعت کی نہی تحریمی نہی ہے اس لیے رسالت مآب ﷺ نے اس کو سودی معاملہ کہا اور سود کی طرح اس کو جنگ کے اعلان کی ہدایت کی گئی۔ مگر حضرات اہل علم خیبر کے یہود کے ساتھ رسالت مآب ﷺ کے معاملہ مزارعت اور خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہؓ کے تعامل مزارعت سے بھی واقف ہیں۔ مزارعت کے یہ دونوں پہلو اربابِ علم کے سامنے ہیں اس لیے چند حضرات اہل علم کا تبصرہ اس کے متعلق یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ پوری سنجیدگی کے ساتھ یہ اندازہ کر سکیں کہ جن حضرات اہل علم نے مزارعت کے جواز کو تسلیم کیا ہے ان کا مزارعت کے متعلق اور ہمارے زمانہ میں زمینداری کے مروجہ معمول کے متعلق کیا تاثر ہے۔

حافظ ابن حزمؒ مسئلہ ۱۳۳۰ میں لکھتے ہیں زمین کو نقدی لگان یا معلوم جنس کے عوض کرایہ پر دینا ہرگز جائز نہیں ہے مزارعت کے جواز کے صرف تین طریقے ہیں یا تو زمین کا مالک خود زراعت کے تمام لوازمات سے زمین کو کاشت کے لیے دیدے۔ اور اگر مالک

اور کاشت کار تمام ضروریات زراعت میں باہمی شریک ہوں اور زمین کا معاوضہ کچھ نہ لیں تو یہ بہتر ہے اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ زمین کا مالک کسی دوسرے کو زراعت کے لیے کاشت کار کے خرچ اور محنت پر زمین دیدے اور اس زمین کی جو پیداوار ہے خواہ زیادہ ہو یا تھوڑی ہو اس میں سے نصف یا ثلث یا ربع وصول کرے اور اگر اس میں پیداوار نہیں ہے تو کاشت کار کے ذمہ زمین کا کچھ معاوضہ نہیں اور جس نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو وہ اپنی زمین کو روکے۔ صحابہؓ میں سے حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت رافعؓ حضرت ظہیرؓ حضرت ابی ہریرہؓ حضرت سعید خدریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرات صحابہ رسول اللہ ﷺ سے علی الاطلاق زمین کو کرایہ پر دینے کی ممانعت کو روایت کرتے ہیں اور یہ کہ زمین کے مالک کو یا خود کاشت کرنے کا حق ہے یا دوسروں کو عطیہ میں کاشت کے لیے دینے پر مامور ہے اور ان حضرات صحابہؓ سے حضور ﷺ کی نہی اور امر کا متواتر نقل اور ثبوت ہے جو مفید علم و یقین ہے اور حضرات تابعینؒ میں حضرت عطاؒ حضرت مجاہدؒ حضرت مسروقؒ حضرت شعبیؒ حضرت طاؤسؒ حضرت حسنؒ اور حضرت ابن سیرین حضرت قاسم بن محمد حضرت مکحولؒ تمام حضرات نقدی اور غیر نقدی لگان پر زمین کو کرایہ پر دینے کو جائز نہیں جانتے تھے۔(المحلی ج ۸۔ ص ۲۴۵۔۲۴۷)

اگر کسی زمیندار نے نقد لگان یا جنس کی متعین مقدار پر اپنی زمین کو ٹھیکہ پر دیا ہے تو یہ تمام حضرات صحابہؓ اور تابعین اس طریقہ مزارعت کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ رسالت مآب ﷺ کے اس ارشاد پر (جس کی زمین ہے پس چاہیے کہ اس کو خود کاشت کرے یا اس کو دوسرے بھائی کو دے دے یا اس کو روکے رکھے) بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں حضور پاک ﷺ کا یہ امر مواجرت اور مزارعت سے منع کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ پس کہا جائے گا کہ حضور پاک ﷺ کا یہ امر استحباب کے لیے ہے ایجاب کے لیے نہیں ہے تاکہ ان کو جو کراۃ فاسدہ کی عادت تھی اس سے زجر فرمائیں جیسا کہ حضرت

ابن عباسؓ نے فرمایا ''اگر اپنے بھائی کو محض عطیہ میں کاشت کے لیے زمین دی جائے''۔تو یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ اس سے کُچھ معاوضہ لیا جائے،اور فرمایا کہ رسالت مآبﷺ نے یہ چاہا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ حُسن سلوک رکھے اور اس کی مدد کرے اور کسی کو بلا معاوضہ زمین دینے کا تبرع اور احسان کا مسلمان کو زیادہ حق ہے اور اہل کتاب مسلمانوں کے بھائی نہیں ہیں اس لیے رسالت مآبﷺ نے ان کو مسلمانوں کی زمینیں مفت کاشت کرنے کے لیے نہیں دی ہیں۔ بلکہ ان سے پیداوار میں ایک حصہ لیا ہے اور تبرع اپنی ضرورت سے زائد مال میں ہوتا ہے پس جو شخص اپنی زمین سے استفادہ کا خود محتاج ہے تو اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ اپنی زمین دوسروں کو مفت کاشت کے لیے دیدے جیسا کہ مسلمانوں کو خیبر کی زمین سے استفادہ کی خود ضرورت تھی اور جیسا کہ انصار کو اپنی زمینوں کی منفعت کی ضرورت تھی تو انہوں نے مہاجرین کے ساتھ زمین کی پیداوار کے ایک حصہ پر معاملہ کیا۔اور شریعت حاجت اور ضرورت کے وقت تبرع اور احسان کو واجب کرتی ہے جیسا کہ رسول اللہﷺ نے قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ قربانی کرنے والے مسلمانوں پر واجب تھا کہ جنہوں نے قربانی نہیں کی ان پر شفقت کریں اور ان کو کھلائیں اس لیے کہ ان کو کھلانا واجب تھا۔پس جبکہ مسلمان زمین سے استفادہ کے محتاج ہیں اور ان کو زمین سے استفادہ کی ضرورت ہے اور ایسے زمیندار موجود ہیں کہ ان کے پاس ضرورت سے زائد زمین موجود ہے اور ان کی ضرورت پوری ہوتی ہے تو ایسے زمیندار کو اور ایسی حالت میں رسول اللہﷺ نے کاشت کار سے زمین کے معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے اور رسالت مآبﷺ نے زمیندار کو فاضل زمین کی ملکیت کو کاشتکار کو منتقل کرنے کا امر نہیں دیا ہے اس لیے کہ جو شخص اپنے مال کے نفع اُٹھانے سے روکا گیا ہے تو ایسے مال کے عطیہ کرنے میں وہ چست ہوگا اور اس کے عطیہ کرنے پر وہ بخوشی تیار ہوگا۔(فتاویٰ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ج ۳۔ص ۳۱۸)

حافظؒ کی مراد یہ ہے کہ زمیندار حسب ضرورت اپنی زمین سے استفادہ کر سکتا ہے اور اس کی ضروری اور لازم ضروریات سے زائد جس قدر اس کے پاس رقبہ ہے اس کے استفادہ سے اور اس کو ذخیرہ بنانے سے رسول اللہ ﷺ نے زمیندار کو روکا ہے اور اس طرح کی زمین سے رسول اللہ ﷺ نے ایسے مسلمانوں کو استفادہ کرنے کا حق دیا ہے جن کو اپنے معاش میں زمین کی منفعت اور استفادہ کی ضرورت ہے اگرچہ زمیندار اس زائد رقبہ کا مالک ہے اور رہیگا مگر اس سے استفادہ نہیں کر سکتا بلکہ اس سے استفادہ کرنے کا حق ایسے مسلمان کا ہے جس کے پاس کاشت کے لیے زمین نہیں ہے تاکہ اس کی معیشت جو اللہ تعالیٰ نے زمین میں ودیعت کی ہے اس کو زمین سے حاصل کرے۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں جن حضرات نے معاملہ مزارعت کے جواز کی اجازت دی ہے ان میں سے بعض حضرات نے یہ شرط لگا دی ہے کہ زمین کے مالک کی طرف سے تخم کا ہونا ضروری ہے اور فرمایا ہے کہ مزارعت یہی ہے اور اگر کاشت کار کی طرف سے تخم ہے تو یہ جائز نہیں ہے اور امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے جس کو حنبلیوں کی ایک جماعت اور اصحاب مالکؒ اور اصحاب شافعیؒ نے پسند کیا ہے اور وہ حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ مزارعت کا یہ معاملہ مضاربت جیسا ہے اور اس سے امام احمدؒ نے احتجاج کیا ہے۔ کرمانیؒ فرماتے ہیں امام احمدؒ سے کہا گیا کہ زمین دار ثلث یا ربع کٹائی پر کاشت کار کو زمین دے سکتا ہے؟ امام احمدؒ نے فرمایا اگر کاشت کار کو زمین کا مالک تخم دیتا ہے اور محنت کاشت کار کرتا ہے اور زراعت کے آلات بھی کاشت کار کے ہیں تو کچھ حرج نہیں مزارعت کے مسئلہ میں امام احمدؒ مضاربت کی راہ چلے ہیں اور مزارعت کو مضاربت جیسا سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تخم اصل زرع ہے جیسا کہ مال اصل ربح ہے پس ضروری ہے کہ تخم اس کی طرف سے ہو جو اصل کا مالک ہے تاکہ ایک کی طرف سے عمل ہو اور دوسرے کی طرف سے اصل ہو۔ (فتاویٰ شیخ الاسلامؒ ج ۳۔ ص ۳۱۹)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی مراد یہ ہے کہ امام احمدؒ مزارعت کو مضاربت کی مانند اشتراک اور معاونت کا معاملہ سمجھتے ہیں۔ مضاربت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کا مال ہوتا ہے اور دوسرے کی محنت ہوتی ہے اور تمام مصارف میں دونوں شریک ہوتے ہیں اور نفع جس طرح وہ آپس میں طے کرلیں اس میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ کیا آج کے زمینداری کے مروجہ دستور میں کاشت کار پر محنت کے علاوہ دوسرے اخراجات کا بوجھ نہیں ہے اور کاشتکار کے ساتھ زمین سے استفادہ کرنے کے مصارف میں زمین کا مالک کچھ حصہ لیتا ہے؟ اگر کاشت کار پر محنت اور دوسرے اخراجات کے سوا سرکاری مال گزاری کا بوجھ بھی پڑتا ہے اور زمین کا مالک کسی قسم کے اخراجات میں کاشت کار کے شریک نہیں ہے اور صرف زمین کا مالک ہونے کی حیثیت سے کاشت کار کی محنت اور اخراجات میں پیداوار کو اپنا حق جانتا ہے تو امام احمدؒ کے مذکورہ نظریہ کے مطابق مزارعت کا یہ طریقہ جائز نہیں ہے کہ زمیندار ایک حاکم کی حیثیت سے کاشت کار سے اس قدر وصول کرنا چاہتا ہے جس قدر وہ لازم سمجھتا ہے اور کاشتکار کے کسی دکھ یا ضرورت میں مدد نہیں کرتا ایسی زمینداری اشتراک اور باہمی معاونت کا معاملہ نہیں ہے اسلام حکومت اور ریاست کی حیثیت سے زمیندار اور کاشتکار کے درمیان مزارعت کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اسلام شناس اہل علم نے کاشت کاروں پر زمینداروں کی تعدی اور کاشت کاروں پر زمینداروں کے ناروا سلوک اور مظالم کی ہمیشہ شکایت کی ہے اور ایسی زمینداری کو انسانی اور اجتماعی معاشرہ کے لیے عظیم خطرہ بتلایا ہے۔ دور حاضر کے ایک فاضل مبصر علامہ محمد احمد شاکر مصری لکھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اراضی معاشی وسائل میں اہم اور نفع بخش وسیلہ ہے لیکن سرمایہ دار زمینداروں نے اپنے غلو اور تعدی کی وجہ سے زمین کے اکناف واقطار میں اس کو جماعتی تمدن کے لیے مہلک خطرہ بنا دیا ہے اور زمیندار کی بار بار دست درازیوں سے کاشت کاروں کا طبقہ ہلاکت کے قریب پہنچ رہا ہے۔ سرمایہ دار زمین دار کے حرص اور لالچ نے کاشت کاروں اور مستاجرین کا خون چوس

لیا ہے۔ یہ سرمایہ دار زمیندار کاشت کاروں کو حیوان سے بدتر مقام میں رکھتے ہیں اور ڈر رہے کہ اس کے بعد اس سے بھی زیادہ موت کے قریب کر دیں گے۔(تعلیقات مسند امام احمدؒ رقم ۴۵۰۴ ج ۶۔ص ۲۳۳)

حضرات ائمہ علم حدیث کے مذکورہ نظریات سے واضح ہوتا ہے کہ اراضی اور دوسرے فاضل اموال کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا منشا یہ ہے کہ ارباب دولت کے فاضل اموال دوسرے اہل ضرورت میں تقسیم ہونے چاہئیں اور دولت وثروت کو اپنے لیے مخصوص اور خزانہ بنانے سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت نے اس لیے منع فرمایا ہے کہ ارباب دولت کی ثروت اور اموال سے ہمیشہ دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پاس کوئی فاضل سواری ہو تو وہ اُس کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل توشہ ہے تو وہ اس کو دیدے جس کے پاس توشہ نہیں پھر آپ ﷺ نے بہت سی قسم کے مال بیان کئے یہاں تک کہ ہم یہ سمجھے کہ ہم میں سے اس مال میں کسی کا حق نہیں ہے جو اس کی حاجت سے فاضل ہو۔(صحیح مسلم ج ۲۔ص ۸۱ کتاب اللقطہ)

حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا جو بعد میں معلوم ہوا تو میں دولت مندوں کے فاضل اموال کو ان سے لیتا اور مہاجرین فقراء پر تقسیم کرتا۔(المحلی لا بن حزمؒ ج ۶۔ص ۱۵۸)

حضرت بلال مزنیؓ سے حضرت عمرؓ نے ان کا فاضل رقبہ واپس لے لیا اور دوسرے مسلمانوں میں اس کو تقسیم کیا۔(کتاب الخراج لیحیی بن آدمؒ ص ۹۳ اور کتاب الاموال ص ۲۹۰)

اسی طرح مسلمانوں کے عدل نواز بادشاہ اور سربراہ کا یہ فرض ہے کہ زمینداروں سے ان کی فاضل اراضی کو اور دوسرے سرمایہ داروں سے ان کے فاضل اموال کو حاصل

کرے اور محتاج اور ضرورت مند مسلمانوں پر تقسیم کرے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی تعمیل اور سنت فاروقی کی تجدید کردے اور دولت کے احتکار اور اکتناز کو روک دے۔ ہمارے دور میں ایسے نام نہاد مسلمان افراد کی کمی نہیں ہے۔ جن کی انفرادی زندگی اسلام کے آثار اور علائم سے قطعاً خالی اور بیگانہ ہے اور اجتماعی زندگی میں اسلام کے اصول اور نظام کی ضرورت نہیں جانتے مگر وقت کی ضرورت اور مصالح کے پیش نظر کسی واقعہ اور موقع پر اسلام کا نام ضرور لیتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام کے اصول اور مسائل سے ان کو بڑی عقیدت اور گہری دلچسپی ہے مگر درحقیقت ایسے صاحبوں کا اسلام سے صرف اس قدر تعلق ہوتا ہے کہ ان کے گھرانے مسلمانوں کے گھرانے ہیں اور مسلمانوں کے رواج کے مطابق ان کے اسمائے گرامی رکھے گئے ہیں اور ایسے ملک کے باشندے ہیں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اور صرف اسلام کے نام پر ملک کے مناصب اور ملک کی دولت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر اسلام کے اصول اور مسائل اور بصائر و نظریات سے بیگانہ اور نا آشنا ہیں۔ اور دین کے مباحث اور اسلامی موضوعات پر دلیر اور بیباک ہیں ایسے صاحبوں نے جس قدر اسلام کو نقصان پہنچایا ہے غیر مسلموں سے اسلام کو اس قدر خطرہ نہیں تھا۔ اور ملک میں ایسے افراد بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں کہ اس طرح کے دانشوروں سے اسلام کی حمایت اور اسلامی خدمات کی توقع رکھتے ہیں۔ اسلام کے ایسے دردمندوں نے آج اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگایا اور اسلام کے نام کے اس پیوند لگا دینے سے اسلام کی جگہ سوشلزم لانے کے لیے راہ کو ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام اپنے معاشی نظام پر ایسے حضرات کو مامور کرتا ہے جنہوں نے رب تعالیٰ کی توحید اور وجود کو واجب اور انبیاء کی بعثت اور دین کے اصول اور مسائل کو ضروری دستور بنانا اور اس کو اپنانا اہم اور ضروری عقیدہ تسلیم کیا ہے اور سوشلزم اس کی ضرورت اور التزام کو تسلیم نہیں کرتا ہے اور نسل انسانی کے کسی فرد کو اختیار اور تصرّف کرنے کا حق نہیں دیتا ہے اور اجتماعیت کی بلند اور بالا حکمرانی اصل جانتا ہے اور نوع انسان کے ایک

ایک فرد کو اس کے حلقہ غلامی کا پابند بناتا ہے مگر اسلام فرد کی طرح اجتماعیت اور اقتدار کو جواب دہ قرار دیتا ہے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کی شان حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ الحاد اور انقلابی نظریات کی بنیاد پر جو معاشی نظام قائم کیا جاتا ہے اس کے ساتھ اسلام کو جوڑنا اور یہ کہنا کہ سوشیلزم ایک معاشی نظام ہے جس میں عقائد اور مذہبی نظریات کی بحث نہیں ہے اور ایک سوشیلسٹ فرد جس طرح کا عقیدہ اور نظریہ چاہے قائم رکھے سراسر فریب ہے اور اسلامی اقدار کی حق ناشناسی ہے اسلام انفرادی مذہب نہیں ہے بلکہ تبلیغی اور اجتماعی مذہب ہے اس کا حلقہ اثر الگ ہے اس کے خصوصی اور امتیازی آثار و علائم ہیں جس سے ایک مسلمان پہچانا جاتا ہے اس کا فیضان اور برکات جماعت میں ہیں اس لیے اسلام نے جماعت کے ساتھ مسلمانوں کو نماز پڑھنے پر مامور کیا اور تارک جماعت اور خطبہ کے لیے سخت وعید سنا دی ہے اور حج کرنے کے لیے ماہ اور ایام کو مخصوص کر دیا کہ بڑی جماعت کے ساتھ حج کے مناسک ادا کیے جائیں اگر سوشیلزم مجوزہ معاشی نظام میں اصول اور عقائد اور نظریات اسلامی کو انفرادی حد تک جائز بھی رکھتا ہے مگر اس کی جماعتی اور اجتماعی حیثیت کو ختم کر دیتا ہے تو کیا اسلام اس اجتماعی اور جماعتی قتل کو برداشت کرتا ہے ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ سوشیلزم کا معاشی نظام الحاد اور انقلابی بنیاد پر قائم کیا ہوا نظریہ ہے اس کی عمارت جہاں بھی کھڑی کی جائے گی تو الحاد اور انقلابی بنیاد پر کھڑی کی جاسکتی ہے۔ اس لیے بے شمار مظلوموں کا بے دردی سے خون بہانا اور بے پناہ مار دھاڑ لوٹ کھسوٹ اس کی تاریخ کے جلی عنوان ہیں۔

مزارعت کی مشروعیت کی دلیل

مزارعت کے امتناعی پہلو پر پہلے اوراق میں آپ نے تفصیل کے ساتھ پڑھ لیا ہے لیکن حضرات علماء نے مزارعت کے جواز کو تسلیم کیا ہے ان کا یہ کہنا ہے کہ صحابہؓ اور بعد کے مسلمانوں کا تعامل مزارعت کے جواز کو ظاہر کرتا ہے اور خیبر کے یہود کے ساتھ رسالت

مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ مزارعت اس کے جواز کی تائید کرتا ہے اس لیے مزارعت کے جواز کا یہ پہلو بھی زیادہ اہم اور قابل غور ہے اور یہی معلوم کرنا ضروری ہے کہ فقہاء امت پر مزارعت کی نہی اور جواز کا کیا اثر پڑا ہے اور اہلِ علم نے مزارعت کی نہی اور جواز میں کیا تطبیق دی ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور دوسرے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں خیبر کے یہود کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی زمین اس شرط پر دے دی کہ یہود اپنے خرچ سے ان میں کام کریں گے اور پیداوار کا آدھا ان کے لیے ہے اور دوسرا نصف حضور پاک ﷺ کو دیں گے خیبر کے یہود کیساتھ معاملہ مزارعت اور بٹائی کا معاملہ ہے اس لیے زمین کی پیداوار پر زمین کی بٹائی کا معاملہ کیا جا سکتا ہے اور امام بخاری باب المزارعۃ بالشطر میں لکھتے ہیں ۔امام باقرؒ فرماتے ہیں مدینہ منورہ میں تمام مہاجرین تہائی اور چوتھائی پر کاشت کیا کرتے تھے اور حضرت علیؓ سعد بن مالکؓ عبداللہ بن مسعودؓ عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت قاسمؒ حضرت عُروہؒ حضرت ابوبکرؓ کی اولاد حضرت علیؓ کی اولاد اور ابن سیرینؒ نے زمین کے پیداوار پر معاملہ کیا ہے عبدالرحمٰن بن اسودؒ کہتے ہیں زراعت میں عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کا شریک تھا حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس شرط پر بٹائی کا معاملہ کیا تھا کہ اگر عمرؓ اپنی طرف سے بیج دیں گے تو پیداوار میں نصف لیں گے اور اگر کاشت کار نے بیج ڈال دیا ہے تو اس کو اسقدر ملے گا حسن بصریؒ فرماتے ہیں کچھ حرج نہیں کہ ایک طرف سے زمین ہے اور مصارف دونوں فریق مل کر کرتے ہیں اور جو کچھ پیداوار ہو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر لی جائے امام زہریؒ اس طرح درست اور صحیح سمجھتے تھے) جن حضرات علماء نے زمیندار اور کاشت کار کے درمیان مزارعت کا معاملہ درست اور جائز بتلایا ہے ان حضرات کے پیش نظر رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیبر کے یہود کے ساتھ مذکورہ معاملہ اور صحابہؓ تابعین کا مزارعت کا تعامل ہے اور ان حضرات میں بھی بعض ایسے حضرات ہیں کہ صرف زمین کی پیداوار میں کسی حصہ پر زمین دار اور کاشت کار کا معاملہ صحیح جانتے ہیں اور

نقدی لگان یا جنس کی مقدار معین پر مزارعت کو ناجائز جانتے ہیں اس لیے کہ حضور پاک ﷺ نے خیبر کے یہود کے ساتھ صرف پیداوار پر نصف حصہ کا معاملہ کیا تھا اور صحابہ تابعین کا تعامل بھی صرف زمین کی پیداوار کی بٹائی پر رہا تھا چنانچہ ابن حزم فرماتے ہیں خیبر کے یہود کے ساتھ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ آخری فعل ہے اور زمین کی پیداوار پر ہے اس لیے یہ سابق نہی کے لیے ناسخ ہے اور اس طرح حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور تمام صحابہؓ کا تعامل رہا ہے لیکن زمین اجارے پر دینا خواہ نقدی ہو یا جنس ہو مگر اس کی مقدار معین ہے تو اس کی نہی اور ممانعت اب بھی باقی ہے۔ (المحلی ج ۸۔ص ۲۴۸)

حافظ ابن حزمؒ کی یہ مُراد ہے کہ مزارعت کے معاملہ کرنے سے حضور پاک ﷺ نے منع فرمایا تھا اور خیبر کے یہود کے ساتھ پیداوار پر مزارعت کی سُنت نے پیداوار پر مزارعت کرنے کو نہی سے مستثنیٰ کیا اور زمین کا اجارہ بر حال سابق منع رہا اور صحابہؓ اور تابعین ؒ کا تعامل بھی زمین کی پیداوار پر مزارعت کا تھا نقد یا جنس معین پر صحابہؓ اور تابعین کا تعامل مزارعت نہیں رہا ہے اس لیے زمین کو ٹھیکہ پر دینے کے جواز کے لیے سنن و آثار میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

خیبر کے یہود کے ساتھ رسالت مآب ﷺ نے معاملہ کیا تھا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خیبر کے یہود رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور غانمین صحابہ کے کاشت کار تھے اور خیبر کی زمین رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہؓ کی ملک تھی تو بیشک خیبر کے یہود کے ساتھ معاملہ زمیندار اور کاشت کار کا معاملہ تھا اور اگر خیبر کے یہود کے ساتھ معاملہ حکومت اور زمین دار کا معاملہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود اپنی اراضی کے مالک نہیں ہیں اور خراج مقاسمہ کی صورت میں ان سے سرکاری مال گزاری کا معاملہ کیا گیا ہے تو پھر یہود کے ساتھ معاملہ سے زمیندار اور کاشتکار کے درمیان مزارعت کے جواز کے لیے اس سے استدلال کرنا موزوں نہیں ہے۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ سعید بن المسیبؒ سے یہ روایت کرتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے بعد یہود سے فرمایا جب تک اللہ چاہے گا ہم تمہیں اس شرط پر برقرار رکھیں گے کہ خیبر کی پیداوار ہم میں اور تم میں آدھی آدھی ہوگی اور رسالت مآب ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کی پیداوار کا اندازہ کرنے کے لیے خیبر بھیجا تھا۔ ابوداؤد میں بھی باب فی الغرس میں حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ سے اسی طرح مذکور ہے اس حدیث میں اس کا بیان ہے کہ رسالت مآب ﷺ اور یہود کے درمیان کا معاملہ باہمی مصالحت کا معاملہ ہے اور امام کو اور بادشاہ کو بیت المال اور کافروں کے درمیان مصالحت کے طریقہ پر ایسا معاملہ کرنا جائز ہے کہ اس جیسا معاملہ بین المسلمین جائز نہیں ہوتا ہے۔ اس طریقہ بیان سے خیبر کے یہود کے ساتھ معاملہ سے زمیندار اور کاشت کار کے درمیان مزارعت کے جواز پر استدلال کرنا ضعیف ہو جاتا ہے۔ (مبسوط ج ۲۳۔ ص ۷)

حضرت مکحولؒ کہتے ہیں حضور پاک ﷺ نے اس شرط پر یہود کو خیبر کی اراضی دی تھی کہ پیداوار میں آدھا یہود کے لیے اور آدھا حضور پاک ﷺ کے لیے ہے اور عبدالرحمٰن بن رواحہؓ کو رسالت مآب ﷺ نے پیداوار کے اندازہ کرنے کے لیے بھیجا تھا امام سرخسیؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں جو الفاظ مذکورہ ہیں وہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے لیے دلیل ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے یہود کو اراضی کے دینے میں ان پر احسان فرمایا اور خراج مقاسمہ جنس کی صورت میں ان کی پیداوار پر سرکاری مال گزاری کا آدھا مقرر فرمایا۔ (مبسوط ج ۲۳۔ ص ۶)

جس طرح کہ اراضی ہند کی پیداوار سے سلطان علاؤالدین نے مالکان اراضی سے سرکاری مال گزاری وصول کی ہے اور سلطان غیاث الدین کے عہد میں بھی جنس کی صورت میں سرکاری مالگزاری وصول کی گئی ہے اسی طرح خیبر کے یہود سے جنس کی صورت میں سرکاری مال گزاری وصول کی جاتی تھی اس لیے خیبر کے یہود کے ساتھ زمیندار اور کاشت کار جیسا مزارعت کا معاملہ نہیں تھا اور امام سرخسیؒ کی مراد یہی ہے کہ خیبر کے یہود اور

حکومت کے درمیان یہ طے پایا کہ سرکاری مال گزاری کی حیثیت سے یہود سے خیبر کی پیداوار کا آدھا لیا جائیگا۔عبداللہ ابن رواحہ کا خیبر کی پیداوار کا وصول کرنا سرکاری انتظام تھا اور کاشتکار سے زمیندار کے لیے اراضی کی پیداوار کو وصول کرنا حکومت کے فرائض میں نہیں ہے۔زمیندار اور کاشتکار پیداوار کے کسی حصہ کی تقرری اور وصولی کے خود ذمہ دار ہیں اس لیے ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ خیبر کے یہود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ حکومت اور رعایا کا سرکاری معاملہ ہے۔زمیندار اور کاشت کار کے درمیان باہمی معاملہ مزارعت کے جواز کے لیے خیبر کا سرکاری معاملہ دلیل اور حجت نہیں ہے۔

خیبر اور وادی القریٰ کی فتح

خیبر میں یہود کے متعدد قلعے تھے اور محرم الحرام کے اخیر میں ۷ھ میں صلح حدیبیہ سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں کچھ قیام کے بعد پیادوں اور سواروں کی جمعیت کے ساتھ حضور پاک ﷺ خیبر کی طرف تشریف لائے اور ناعم قموص صعب بن معاذ وغیرہ تمام قلعے فتح کئے گئے اور یہود ایک قلعہ سے بھاگ کر دوسرے قلعہ میں پناہ لیتے تھے اور سمٹ کر قتنیبہ میں جس میں قموص وطیح سلالم تین قلعے تھے پناہ لی اور ان میں سب سے بڑا قلعہ قموص تھا جو حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوا چودہ دن کے محاصرہ کے بعد یہود نے رسول اللہ ﷺ سے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی اور ابن ابی الحقیق کو حضور پاک ﷺ کے ساتھ بات چیت کے لیے بھیجا اور حضور پاک ﷺ نے اس شرط پر یہود کی جان بخشی فرمائی کہ خیبر کی زمین کو خالی کریں گے اور سونا چاندی ہتھیار اور حرب کا سامان چھوڑ جائیں اور فرمایا اگر یہود نے اس کی خلاف ورزی کی تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ بری الذمہ ہے مگر یہود شرارت سے باز نہ آئے اور اپنے عہد پر قائم نہ رہے حضور پاک ﷺ نے یہود کو خیبر سے نکالنے اور دوسری تادیب کا ارادہ فرمایا اس پر یہود نے دوسری درخواست کی اور کہا آپ ہمیں خیبر کی زمین پر رہنے دیجئے ہم اس کو آباد رکھیں گے اور ہم اس پر کام کرنا جانتے ہیں اور خیبر کی زمین کی ہر قسم

کی پیداوار سے آدھا آپ کو ادا کر دیں گے اور مسلمان صحابہؓ خیبر کی زمین میں کام کرنے کے لیے فارغ نہیں تھے زمینداری اور کاشت کاری سے زیادہ اہم کام معاندین اسلام کی شوکت توڑنے اور اسلام کی تبلیغ و دعوت کے لیے راہ کو ہموار بنانا اور جہاد کرنا ضروری تھا اس لیے حضور پاک ﷺ نے یہود کی اس درخواست کو بھی منظور فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا جب تک ہم چاہیں گے اس وقت تک برقرار رکھیں گے ۔(بخاری شریف ج ۱۔ ص ۳۱۵ زادالمعاد ج ۲۔ص ۱۳۶)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خیبر سے وادی القریٰ کی طرف تشریف لے گئے وادی القریٰ بہت لمبی وادی ہے۔مدینہ سے شروع ہو کر شمال کی طرف جاتی ہے اور خیبر سے گزرتی ہوئی العلی تک جا پہنچتی ہے ظہور اسلام کے وقت اس میں بہت سی بستیاں تھیں اس وجہ سے اس کا نام وادی القریٰ ہوا اور ان بستیوں میں بیشتر یہود آباد تھے وادی القریٰ میں رسالت مآب ﷺ کو یہود نے تیر مارے جس سے آپ ﷺ کا غلام مدعم مارا گیا حضور پاک ﷺ نے سعد بن عبادہ خباب بن المنذر سہل بن حنیف عبادہ بن بشر کو جنگ کے علم دیئے اور اسلام لانے کی دعوت دی اور فرمایا اگر مسلمان ہو جاؤ گے تمہارے اموال اور خون محفوظ ہو گا ایک یہودی میدان میں آیا اور زبیر بن عوام نے اس کو مارا پھر دوسرا یہودی نکلا اس کو زبیر بن عوام نے قتل کیا پھر تیسرا نکلا اس کے مقابلہ پر حضرت علیؓ نکل آئے اور اس کو قتل کیا اس طرح ان کے گیارہ آدمی مارے گئے اور یہود کو بار بار اسلام لانے کی دعوت دی جاتی تھی وادی القریٰ کو حضور پاک ﷺ نے قہر اور جنگ سے فتح کیا چار دن یہاں حضور پاک ﷺ نے قیام فرمایا اور ان اراضی اور باغات کو ان کے قبضہ میں چھوڑا اور پیداوار پر ان کے ساتھ معاملہ کیا۔(زادالمعاد ج ۲۔ص ۱۴۶۔غزوہ خیبر)

حافظ ابن قیّم فرماتے ہیں جن حضرات نے صحیح غور و تامل سے سیر اور مغازی کا مطالعہ کیا ہے ان کو ظاہر اور ثابت ہے کہ خیبر کی زمین کو حضور پاک ﷺ نے جنگ اور قہر

سے فتح کیا ہے اگر خیبر کی زمین صلح سے فتح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ یہود کو خیبر سے نکالنے کا ارادہ نہ فرماتے جب حضور پاک ﷺ نے ان کو خیبر سے نکالنا چاہا تو یہود نے کہا ہم کو اس زمین پر چھوڑ دیجئے۔ہم زمینداری کا کام آپ حضرات سے زیادہ جانتے ہیں۔ہم اس میں کام کریں گے اور اس کی پیداوار میں آپ کو آدھا ادا کریں گے یہود اور مسلمانوں میں مقابلہ ہوا طرفین کے آدمی مارے گئے۔یہود جب اپنے قلعوں میں چھپ جانے پر مجبور ہوئے تب باہر نکلے اور صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے اور صلح صرف اس قدر ہے کہ یہود خیبر میں رہیں اور خیبر کی زمین میں کام کریں گے اور پیداوار کا آدھا ادا کریں گے اور اس صلح میں یہ شرط نہیں تھی کہ خیبر کی زمین یہود کے لیے ہے اور نہ اس بات پر صلح تھی کہ زمین مسلمانوں کے لیے ہے اور ان سے خراج لیا جائے گا۔(زادالمعاد ج ۲۔ص ۱۴۷)

خیبر اور وادی القریٰ جنگ اور مقابلہ سے فتح کئے گئے ہیں اور جونہی زمین مسلمانوں کو غنیمت میں حاصل ہوئی ہے اس کے متعلق شرعی ضابطہ یہ ہے کہ خمس کے نکالنے کے بعد یا تو سب کے سب غانمین میں تقسیم کی جائے گی یا حسب سابق باشندوں کا ملک برقرار رکھا جائے اور عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے خواہ نقدی کی صورت میں یا جنس کی صورت میں ہو اس پر خراج رکھا جائے گا۔خیبر کی زمین کو مسلمانوں میں حضور پاک ﷺ نے تقسیم نہیں کیا اور خیبر کی زمین سے خمس بھی علیحدہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ رسالت مآب ﷺ کو جس طرح اختیار تھا خیبر اور وادی القریٰ کی زمینوں پر یہود کو برقرار رکھا اور خراج مقاسمہ کی صورت میں ان پر خراج رکھا گیا اور رسالت مآب ﷺ کے بعد جب حضرت عمرؓ نے خیبر اور وادی القریٰ سے یہود کو نکالنا چاہا تو ان کی زمینوں کی قیمت حضرت عمرؓ نے ان کو ادا کردی ۔چنانچہ فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں یحیی بن سعید فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے اہل نجران اور یہود و نصاریٰ کو نکالا اور ان کی اراضی وغیرہ کو خریدا۔عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے ایام خلافت میں اہل نجران اہل فدک تیمہ اور اہل خیبر کو نکالا اور ان کی اراضی

اور اموال کو خریدا۔ (فتح الباری ج ۵۔ص ۹)

امام سرخسی کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہود اور وادی کے یہود کو نکلنے کا حکم دیا اور ان کو ان کے اموال کی نوے ہزار اشرفیاں قیمت ادا کردی ۔(مبسوط ج ۲۳۔ص ۴،۵)

ان حضرات کی تحریروں سے یہ ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ خیبر اور وادی القریٰ کے یہود اپنی زمینوں کے مالک تھے ورنہ حضرت عمرؓ ان کو ان کی اراضی کی قیمت کیوں ادا کرتے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ زمیندار اور کاشت کار کا معاملہ مزارعت نہیں تھا بلکہ ان کے ساتھ حکومت اور زمیندار کا معاملہ خراج مقاسمہ کا معاملہ تھا اس لیے اس قسم کے اختیارات اور معاملات کرنے کا زمیندار کو کاشتکار کے ساتھ حق نہیں دیا جائے گا جس طرح کہ حکومت اور زمیندار کے درمیان معاملہ کرنے کا حق ہے خیبر کے یہود کے ساتھ رسالت مآب ﷺ کے معاملہ کے متعلق امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں حضور پاک ﷺ نے یہود پر احسان فرمایا ان کے رقاب کو غلام نہیں بنایا بلکہ آزاد چھوڑا اور ان کی اراضی اور باغات پر ان کا قبضہ اور ملک برقرار رکھا اور پیداوار کا آدھا بہ منزلہ خراج مقاسمہ منظور فرمایا اور امام کو حکومت میں اختیار ہے کہ اراضی کے جن مالکوں پر احسان فرمائے کہ ان کے املاک کو ان کے ملک میں چھوڑ دے اور اگر چاہے تو ان کی زمینوں پر نقد لگان مقرر کردے اور اگر چاہے تو خراج مقاسمہ رکھے۔مبسوط ج ۲۳۔ص ۳)

خیبر کی اراضی اور یہود کی حیثیت

خیبر کے یہود غلام نہیں بنائے گئے عہد نبوی میں اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے یہود کی اور یہود کی اولاد کی رقاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا اور واقعہ یہ ہے کہ امام المسلمین کو اختیار ہے کہ مفتوحہ قیدیوں کو قتل کریں یا ان کو غلام بنائیں مگر رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کی حسب استدعا یہود اور یہود کی اولاد کے رقاب اور ان

کی اراضی کو ان کے پاس برقرار رکھنے پر صلح فرمائی یہ کیسے خیال کیا جائے کہ رسالت مآب ﷺ نے ان کے رقاب کو اصل حالت پر چھوڑا اور ان کی اراضی کو ان کے ملک سے نکالا بلکہ جس طرح یہود کے رقاب کو آزاد چھوڑا ہے، اسی طرح ان کی اراضی کو بھی ان کے ملک میں برقرار رکھا۔ حافظ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہود سے جہاد کیا اور یہود سے اس شرط پر صلح کر لی کہ جب تک رسالت مآب ﷺ چاہیں گے برقرار رکھیں گے اور اب تک جزیہ کا حکم نہیں آیا تھا اس لیے یہود پر جزیہ نہیں رکھا گیا کہ جزیہ کے حکم آنے سے پیشتر یہود سے صلح ہو چکی تھی اس لیے خیبر کے یہود سے حضور پاک ﷺ نے اور کوئی مطالبہ نہیں کیا (زاد المعاد ج ۲۔ص ۷۹)

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں یہود اہل ذمہ تھے ان کے دماء اور اموال میں ان کو امان دیا گیا تھا یہود اہل ذمہ تھے اگر چہ ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ (زاد المعاد ج ۲۔ص ۱۴۴)

حجۃ الاسلام احمد بن علی الرازی جصاصؒ لکھتے ہیں ہمارے اصحاب اور امام ثوری نے فرمایا ہے امام المسلمین جب کسی علاقہ کو قہر اور جنگ سے فتح کر لے تو اس کو اختیار ہے کہ خمس نکالنے کے بعد وہاں کے باشندوں اور ان کے اموال اور مفتوحہ اراضی کو غانمین اور شریک جنگ مجاہدین میں تقسیم کر لے اور اگر امام المسلمین چاہے تو مفتوحہ زمین کو باشندوں کے ملک میں برقرار رکھے اور اسی پر خراج مقرر کر دے اور زمین باشندوں کے ملک میں ہوگی اور اس کی خرید وفروخت کر سکتے ہیں سواد کی زمین کو حضرت عمرؓ نے عراق کے باشندوں کے ہاتھ چھوڑا تھا اور امام حسنؓ اور امام حُسینؓ نے سواد کی زمین میں سے خریدا ہے اس کے معنی یہ کہ سواد کی زمین لوگوں کے ملک میں تھی۔ (احکام القرآن للجصاص، جلد ۳۔ص ۵۳۰۔۵۳۴)

اسی طرح خیبر کی زمین کی حیثیت ہے یہود اپنی زمینوں پر برقرار رکھے گئے ہیں اور ان کی زمین پر خراج مقرر کیا گیا ہے۔ اور یہود اپنی زمینوں کے مالک ہیں اس لیے حضرت عمرؓ نے جلاوطنی کے بعد ان کو ان کی زمینوں کی قیمت ادا کی ہے بہر حال خیبر کے یہود

کے ساتھ زمیندار اور کاشت کار کا معاملہ نہیں تھا بلکہ حکومت اور رعایا کا معاملہ تھا اس لیے خیبر کے معاملہ کو زمیندار اور کاشتکار کے مابین مزارعت کے جواز کے لیے نظیر اور مثال نہیں بنانا چاہیے۔

اراضی خیبر کی تقسیم

رسالت مآب ﷺ نے یہود کے ساتھ خیبر کی پیداوار پر معاملہ کیا تھا اور حضور پاک ﷺ نے اپنی پیداوار کا آدھا اس طرح تقسیم فرمایا تھا کہ اس کا نصف غانمین کو دیا تھا اور اس میں دوسروں کے برابر آپ ﷺ کا بھی حصہ تھا اور دوسرا نصف دوسرے مہمات کے لیے رکھا گیا تھا۔ حافظ بن قیم اراضی مفتوحہ کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں زمین ایسی غنیمت ہے کہ اس کی تقسیم امام المسلمین کی رائے اور صوابدید پر ہے اگر امام المسلمین اراضی کی تقسیم کرنے میں مصلحت سمجھتے ہیں تو غانمین کو تقسیم کر دیں اور اگر باشندوں کو اراضی پر برقرار رکھنا مصلحت جانتے ہیں اور عام مسلمانوں کے مفاد اور ضروریات کی تکمیل اس کو محفوظ کرنے میں ہے تو آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں کریں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین کا آدھا حصہ غانمین پر تقسیم کر دیا تھا اور پیداوار کا دوسرا آدھا دوسرے مہمات کے لیے محفوظ کر دیا تھا اگر اراضی کا حکم غنیمت جیسا ہوتا تو خیبر کی زمین سے خمس کے الگ کرنے کے بعد خیبر کی تمام زمین کو رسالت مآب ﷺ غانمین پر تقسیم فرماتے لیکن سنن مستدرک میں یہ ثابت ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے خیبر کو ۳۶ سہام پر تقسیم کیا تھا اور اس میں ۱۸ سہام رسالت مآب ﷺ اور مسلمانوں کے لیے تھے اور دوسرا نصف وفود اور دوسری مہمات اور عامۃ المسلمین کی ضروریات کے لئے تھا۔ (زادالمعاد ج ۲۔ص ۶۹۔ فصل فی الارض المفتوحہ)

ابوداؤد میں متعدد طریقوں سے یہ مذکور ہے بشیر بن یسار فرماتے ہیں مجھے کئی ایک صحابہ نے فرمایا کہ خیبر کو رسالت مآب ﷺ نے آدھا آدھا تقسیم کیا تھا آدھا حصہ وفود اور عام

ضروریات کیلئے تھا اور دوسرا آدھا غانمین کیلئے تھا اور اس میں رسالت مآب ﷺ کا بھی اس قدر حصہ تھا جس قدر ایک مسلمان کو ملتا تھا۔ (ابوداؤد باب ماجاء فی حکم الارض خیبر)

خیبر کے اس طریقہ تقسیم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خیبر کی تمام اراضی کی تقسیم نہیں کی گئی اور غانمین اس کے مالک نہیں تھے ورنہ ان کا ملک تمام خیبر پر قائم ہونا چاہیے تھا اور نیز اگر غانمین خیبر کی تمام اراضی ملک میں ہوتی تو رسالت مآب ﷺ خیبر کی اراضی کا نصف ان سے الگ نہ کرتے یہ تمام تصرفات امام المسلمین کی حیثیت سے رسالت مآب ﷺ کے حاکمانہ اختیارات کے پیش نظر کیے گئے ہیں جس طرح آپ نے چاہا تھا اسی طرح خیبر کی پیداوار کو تقسیم کیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اپنے ایام میں حضور پاک ﷺ کے مذکورہ انتظامی اختیارات کے دستور کو خیبر کی پیداوار میں قائم رکھا ہے اور ہمیشہ اس پر حکومت کا انتظام رہا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے جب اپنے سہام پر قبضہ لینے کا مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے ان حضرات کو یہ جواب دیا کہ جس طرح حضور پاک ﷺ کا تصرف رہا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کا بھی اور اب دو سال سے میرے قبضہ میں ہے اسی طرح حکومت کا تصرف رہے گا۔ (بخاری کتاب الفرائض و باب الخمس)

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے مطالبہ اور حضرت عمرؓ کے جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خیبر کی زمین تقسیم نہیں کی گئی تھی بلکہ خیبر کی پیداوار کی حصہ دارانہ تقسیم کی جاتی تھی ورنہ خیبر کی زمین میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہام ان کے قبضہ میں ہوتے اور ان پر جھگڑا نہ پڑتا اور حضرت عمرؓ ان کے مملوکہ سہام اراضی کو ان کے قبضہ میں دینے سے انکار نہ فرماتے حضرت امام جصاص اس مسئلہ پر کہ امام المسلمین کے مالک بنائے بغیر خود بخود غانمین غنائم کے مالک نہیں بنتے ہیں بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں بشیر بنؓ یسار روایت کرتے ہیں رسالت مآب ﷺ نے خیبر کو نصف نصف کر دیا تھا نصف نوائب اور حاجات کے لیے رکھا تھا اور دوسرا نصف غانمین پر تقسیم کر دیا تھا اگر کل خیبر غانمین کا ملک ہوتا تو

رسالت مآب ﷺ پورا نصف اپنے لیے اور عامۃ المسلمین کی حاجات کے لیے الگ نہ کرتے اس لیے کہ واقعہ تو یہ ہے کہ خیبر جنگ اور مقابلہ سے فتح ہوا تھا۔ رسالت مآب ﷺ نے عنوۃ (طاقت سے) مکہ معظمہ کو فتح کیا اور ان پر احسان فرمایا اور ان کے املاک پر ان کو برقرار رکھا۔ حضرت عمرؓ نے سواد کی زمین کو تقسیم نہیں کیا اگرچہ اکثر حضرات صحابہؓ اس کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے تھے اور پھر تمام حضرات نے بالا اتفاق حضرت عمرؓ کی تصویب فرمائی ان تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب تک امام المسلمین غانمین کو مالک نہ بنائیں غانمین خود بخود مفتوحہ زمین کے مالک نہیں ہوتے ہیں اور امام المسلمین کو یہ اختیار ہے کہ مفتوحہ اراضی کو حسب سابق باشندوں کے ملک میں رکھے اور ان پر خراج مقرر فرمائے۔ (احکام القرآن ج ۳۔ص ۵۳۰)

اسی طرح خیبر کی زمینوں پر یہود کا ملک برقرار رکھا گیا یہود مالک تھے اور ان پر خراج مقاسمہ مقرر کیا گیا اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ خیبر کے یہود کے ساتھ حکومت اور رعایا کا معاملہ ہے اور زمیندار کا شتکار کا معاملہ نہیں ہے اور اس کو زمیندار اور کاشت کار کے درمیان معاملہ کے لیے مثال بنانا درست نہیں ہے اور اس سے صرف اس قدر جواز ثابت ہوتا ہے کہ زمین کی پیداوار کے کسی جزء پر معاملہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حزم سے پہلے صفحات میں نقل کر چکا ہوں بات یہ ہے کہ مزارعت شرکت ہے اور زمیندار و کاشت کار اس کے دو جانب یا فریق ہیں اور طرفین کا نفع و نقصان اس میں برابر ہونا چاہیے جبکہ مضاربت میں نفع و نقصان میں طرفین برابر کے شریک ہوتے ہیں اگر زمین کا معاملہ پیداوار کے کسی جزء کے بغیر نقدی یا جنس کی مقدار معین پر کیا گیا تو زمین کے مالک کا نفع یقینی اور محفوظ ہے اور مستاجر کا شتکار کو نفع کی امید ضرور ہے مگر یقینی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ مستاجر کاشت کار کو نقصان پہنچے اس لیے زمین کی پیداوار کے کسی جزء پر مزارعت کا معاملہ کرنا عدل کے قریب ہے اور نقدی یا جنس کی معین مقدار پر معاملہ کرنا عدل نہیں ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

صحابہؓ اور تابعینؒ کا تعامل

امام بخاریؒ نے باب المزارعۃ بالشطر میں ابی جعفر سے مدینہ کے مہاجرینؓ اور بعض صحابہؓ اور بعض تابعینؒ کا تعامل مزارعت روایت کیا ہے۔ امام بخاریؒ کی مراد اس تعامل سے صرف اس قدر ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے کسی جزء پر مزارعت کا معاملہ کیا جا سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ عہد نبویﷺ اور عہد صحابہؓ سے جو تعامل مسلسل چلا آرہا ہے وہ دلیل اور حجت ہے اہل علم اس کی مخالفت کو ناجائز سمجھتے ہیں چنانچہ حافظ ابن قیم کہتے ہیں اہل مدینہ کا وہ عمل جو قدیم ہے عہد نبوی اور عہد صحابہؓ اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا حجت ہے اور ہر اس عمل پر جو اس کے مخالف ہے اس کو مقدم رکھا جائیگا اور جس نے ایسے عمل کو اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان رکھا ہے تو اس نے صحیح اور درست اعتصام کیا ہے اور ایسے عمل کی مثال دیتے ہوئے امام بخاریؒ کے حوالہ سے ابن قیمؒ نے حضرت ابو جعفرؓ کے مذکورہ تعامل کو نقل کیا ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۴۳۶)

مگر سلف کے اس تعامل کو حال کے زمیندار اور کاشت کار کی مزارعت کے جواز کیلئے دلیل اور حجت بنانا درست نہیں ہے سلف کا مذکورہ تعامل شرکت اور تعاون کی صورت میں تھا یا حکومت اور زمیندار کے درمیان کا تعامل تھا اور حال کے زمیندار کا کاشت کار کے ساتھ جاگیردارانہ اور مستبد نظام ہے جو مسلمان فرمانرواؤں کے حلقہ اطاعت سے باہر ہونے والے جاگیرداروں نے مظلوم زمینداروں کے املاک پر بالجبر قبضہ کیا اور ان کو کاشت کار بنانے کے بعد ظالمانہ رویہ روا رکھا تھا، اسلام میں اس کے جواز کے لیے قطعاً گنجائش نہیں ہے زمیندار اس مزارعت کی بدولت اخلاق اور حقوق کی دنیا میں اور عیش پرستانہ مشاغل میں ہلاک ہورہا ہے اور کاشت کار کی تباہ حالی میں دن بدن اضافہ ہوتا جاتا ہے امام بخاریؒ نے جو تعامل روایت کیا ہے وہ صرف اس قدر نہیں ہے جو اجمال کی صورت میں بخاری کی کتاب

میں مذکور ہے بلکہ اس کی تفصیلات میں امام بخاریؒ کی مراد کو ان تفصیلات سے کچھ زیادہ تعلق نہیں تھا اس لیے امام بخاریؒ نے ان پر کچھ زیادہ توجہ نہیں فرمائی مگر ہمارے موضوع کو سلف کے تعامل سے گہرا تعلق تھا۔ اس لیے میں ان تفصیلات کو بقدر ضرورت نقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ سلف کے تعامل مزارعت کے ساتھ ہماری زمینداری اور جوڑ کا تعلق نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے اس بیان میں حضرت عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے معاملہ مزارعت کو بھی روایت کیا ہے مگر ان دونوں حضرات کا معاملہ زمیندار اور کاشت کار کا نہیں ہے بلکہ حکومت اور رعایا کا معاملہ ہے حضرت عمرؓ نے اہل نجران اہل فدک اہل تیماء اہل خیبر کو جلاوطن کیا اور یعلی ابن امیہؓ کو سرکاری طور پر وہاں کے باشندوں کی اراضی کا معاملہ کرنے پر مامور فرمایا۔ اسی طرح عمر بن عبدالعزیزؒ عدی بن ارطاۃ کو سرکاری اراضی کی دیکھ بھال پر مامور فرمایا اور حکمران کی حیثیت سے زمینداروں کے ساتھ معاملہ کرتے رہے۔ فتح الباری ج ۵۔ ص ۸) امام سرخسیؒ سے پہلے نقل کر چکا ہوں کہ حکومت اور زمیندار کے درمیان جس طرح کا معاملہ جائز ہے یہ ضروری نہیں کہ اس طرح کا معاملہ زمیندار اور کاشت کار کے درمیان میں جائز ہو۔ امام بخاریؒ نے اس بیان میں آل ابی بکرؓ اور آل حضرت عمرؓ کا معاملہ مزارعت بھی ذکر کیا ہے۔ مگر آل ابی بکر میں حضرت قاسم بن محمد ابن ابی بکر سے زمین کے کرایہ کے متعلق سوال ہو رہا ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں رسالت مآب ﷺ نے زمین کے کرایہ سے نہی فرمائی ہے۔ (نسائی شریف ج ۴۔ ص ۱۴۳)

اور آل عمرؓ میں عبداللہ بن عمرؓ زمین کو کرایہ پر مزارعت کے لیے دیا کرتے تھے مگر جب آپ کو حضرت رافعؓ نے رسالت مآب ﷺ کی نہی کی اطلاع دی تو آپؓ مزارعت پر زمین کو کرایہ پر دینے سے رک گئے۔ (بخاری و مسلم)

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سلف کے تعامل میں مزارعت کا طریقہ کچھ اور تھا اور ہمارے دور میں زمیندار اور کاشت کار کے درمیان جو معاملہ ہے وہ زمین کے کرایہ کا ہے

جس سے حضور پاک ﷺ نے منع فرمایا اور آل ابی بکرؓ میں حضرت قاسم اور آل عمرؓ میں ابن عمرؓ کا تعامل ہے۔ امام بخاریؒ کے اس بیان میں حسن بصریؒ اور زہریؒ سے جواز مزارعت مذکور ہے مگر حسن بصری کے بیان میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ زمیندار اور کاشت کار کے درمیان مزارعت کا معاملہ اس شرط پر جائز ہے کہ زمیندار اور کاشت کار دونوں مصارف میں شریک ہوں کہ شرکت مصارف کی صورت میں مزارعت کی حقیقت باقی نہیں رہتی بلکہ یہ درحقیقت مضاربت ہے کہ زمیندار کی طرف سے زمین ہے اور کاشت کار کی طرف سے محنت ہے اور یہ دونوں دولت ہے اور کھیتی باڑی کے تمام مصارف میں دونوں شریک ہیں زمین کا کوئی کرایہ نہیں ہے امام بخاریؒ کے بیان میں محمد بن سیرینؒ کا قول مجمل مذکور ہے آپ کا مفصل قول امام نسائی نے ذکر کیا ہے ابن سیرین فرماتے ہیں میرے نزدیک زمین مال مضاربت کی مانند ہے جس طریقہ سے مضاربت درست ہے اسی طریقہ سے مزارعت بھی درست ہے اور جو طریقہ مضاربت کا ناجائز ہے اسی طریقہ سے مزارعت بھی ناجائز ہے اس طرح کی مزارعت میں کچھ حرج نہیں ہے کہ زمین کا مالک اس شرط پر کاشت کار کو زمین دیدے کہ کاشت کار اور اس کے اعوان اس میں کام کریں گے اور مصارف کا تمام بوجھ زمین کے مالک پر ہوگا۔ (نسائی) معلوم ہوتا ہے کہ سلف کا تعامل اس طریقہ مزارعت کا تھا کہ زمیندار اور کاشت کار باہم ایک دوسرے کے شریک اور ایک دوسرے کے معاون ہیں اور زراعت کے مصارف یا تو صرف زمین کے مالک پر لازم تھے یا تمام مصارف میں زمیندار اور کاشت کار دونوں شریک ہوتے تھے اور موجودہ زمیندارانہ سسٹم میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتی ہیں اور زمین کا مالک کھیتی باڑی کے مصارف کو نہیں برداشت کرتا بلکہ سرکاری مال گزاری آبیانہ کا بوجھ بھی کاشت کار پر ڈالتا ہے اس لیے سلف کے تعامل مزارعت سے موجودہ زمیندار سسٹم کو جائز اور معمول بتلانا فہم وادراک کے قریب نہیں ہے جن حضرات فقہاء نے زمیندار اور کاشت کار کے درمیان مزارعت کے جواز کو

تسلیم کیا ہے ان کا یہ کہنا ہے کہ کھیتی کی اصلاح اور زیادہ بہتر اور مفید بنانے کے لیے جس عمل کی ضرورت ہے وہ کاشتکار کے لیے ضروری ہے اور کھیتی کے ضروری مصارف زمیندار اور کاشتکار کے حصص کے مطابق دونوں پر لازم ہیں۔ (بدائع صنائع ج ۶ ص ۱۸۲)

غرض یہ ہے کہ زمیندار اور کاشتکار ایک دوسرے کے معاون اور مصارف میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ حضرات مجوزین مزارعت کے یہاں اگر مذکورہ شرط موجود ہے تو مزارعت کے جواز کو تسلیم کرتے ہیں ورنہ یہود یا نہ مزارعت کو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی طرح ان حضرات نے بھی مزارعت کے جواز کو تسلیم نہیں کیا ہے۔

فقہاء کے مسالک

ابن رشد قرطبیؒ متوفی ۵۹۵ ھجری کہتے ہیں زمین کو کرایہ پر دینے کے مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے حضرت طاؤسؒ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ کسی صورت میں بھی زمین کو کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں دیتے ہیں اور جمہور نے زمین کو کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہے مگر ان میں بھی حضرت ربیعہؒ اور سعیدؒ بن المسیب صرف نقدی پر کرایہ دینے کی اجازت دیتے ہیں اور دوسرے حضرات نے کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہے مگر کچھ تفصیلات بھی بیان کرتے ہیں امام احمد سفیان ثوریؒ لیث بن سعدؒ ابو یوسفؒ امام محمدؒ زمین کی پیداوار کے کسی جزء پر اور غیر پیداوار دونوں پر کرایہ کی اجازت دیتے ہیں اور جن حضرات نے زمین کو کرایہ پر دینے کو منع کیا ہے ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے اور ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضور پاک ﷺ کی نہی عام ہے اور ابن عمرؓ نے حضرت رافعؓ سے کرایہ کی نہی کو عام روایت کیا ہے اور انہوں نے عموم پر عمل کیا ہے اگرچہ حضرت رافع نے یہ کہا ہے کہ نقدی پر زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے مگر ان حضرات کے مسالک کے مطابق حدیث کے راوی کا قول حدیث کے عموم کی تخصیص نہیں کرتا اور حضرت رافعؓ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اراضی کے

اجارہ سے منع فرمایا ہے اوران حضرات کی یہ بھی دلیل ہے کہ حضور پاک ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا جس کے پاس زمین ہے اس کو خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لیے دے دے اوراس کی اجرت نہ لے اوران حضرات نے من حیث المعی یہ یہی فرمایا ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینے میں نہی ہے دھوکہ ہے اس لیے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ فصل پر کوئی آفت پڑجائے اور کبھی تباہ ہوجائے کاشت کار نے زمین سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا اورزمین کے مالک کا کرایہ اس کے ذمہ لازم ہوا۔(ہدایۃ المجتہد ونہایت المقتصد ج ۲۔ص ۲۲۱)

امام ابو یوسفؒ ہارون الرشید کو کہتے ہیں امیرالمومنین آپ نے مزارعت کے بارہ میں مجھ سے دریافت کیا ہے ہمارے اصحاب حجاز اوراہل مدینہ اس کو مکروہ اور بُرا جانتے ہیں اورہمارے اہل کوفہ کے اصحاب کو اس میں اختلاف ہے جن حضرات نے مساقاۃ (مساقات درختوں کی بابت پانی کی بہم رسانی کیلئے دو افراد کے درمیان معاملہ طے کرنے کا نام ہے) کو جائز جانا ہے وہ مزارعت کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ابو یوسف فرماتے ہیں مزارعت کو میں صحیح اور جائز جانتا ہوں اور میرے نزدیک مزارعت مال مضاربت کی مانند ہے۔جس طرح مضاربت جائز ہے ابو یوسف فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ ثلث وربع کی بٹائی پرمزارعت اورمساقاہ دونوں کو بُرا جانتے ہیں اورابن ابی لیلی اس میں کچھ حرج نہیں جانتے امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رافعؓ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک باغ کے قریب سے گزرے اور فرمایا یہ کس کا ہے رافع نے کہا یہ میرا ہے اور میں نے اجارہ پر دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو کسی چیز کے اجارہ پر نہ دینا اورنیز حضور پاک ﷺ نے ثلث وربع پرمزارعت کو بُرا جانا ہے۔(کتاب الخراج ص ۸۸)

حضرت امام علاؤالدین کاسانی فرماتے ہیں مزارعت کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں مزارعت غیرمشروع ہے اوراسی طرح امام شافعی فرماتے ہیں امام ابو یوسف اورامام محمد فرماتے ہیں مزارعت مشروع ہے۔(بدائع صنائع ج ۶۔ص ۱۷۵)

مزارعت اور زمین کے کرایہ کے بارہ میں فقہاء کے اختلافات کو آپ نے پڑھ لیا ہے اور اہل علم کی توجیہات کو پڑھ چکے ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جب فقہاء کے فکر و نظر اور صحابہؓ اور تابعین کے آثار و تعامل میں اختلاف ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیے جس پر چل کر ہم کتاب وسُنت کی ہدایات کو پورا کر سکتے ہیں اگر کسی مسئلہ میں صرف اہل علم واجتہاد کے افکار و انقاد میں اختلاف کی وجہ سے اختلاف ہے تو یہ صورت بھی ممکن ہے کہ جس صاحب علم واجتہاد کے ساتھ آپ کو عقیدت ہے اس کے فکر و تحقیق کو پسند کیجئے مگر جب کتاب وسُنت کی نصوص کے مقابلہ پر ارباب علم کے فقہ واجتہاد کو پیش کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں کتاب وسُنت کی نص اور ہدایت کے اختیار کئے بغیر کوئی دوسرا راستہ اور چارہ نہیں ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے (**فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ**) ''پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف'' (سورۃ نساء آیت نمبر ۵۹) جس کے حکم کے بارے میں یہ معلوم کرنا چاہو کہ وہ حکم اللہ کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے موافق ہے یا مخالف تو اس کا معیار کتاب وسُنت ہے ارباب علم وبصیرۃ کے تمام مجتہدات کو کتاب وسُنت کے معیار پر پرکھو اگر وہ کتاب وسُنت کے مطابق ہے تو بس اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم وہی ہے جانچنے اور تولنے کا معیار کتاب وسُنت ہی ہے ارباب علم وبصیرۃ کے تمام مجتہدات کو کتاب وسُنت کے معیار میں وزن کر لینا چاہیے مطابق کو لیا جائے اور مخالف کو چھوڑا جائے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں دین کا کوئی مسئلہ ہو خواہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو خفی ہو یا جلی جس میں تنازع اور اختلاف ہو اس کا حکم کتاب اور سُنت میں مذکور ہے ورنہ تنازع اور اختلاف کی صورت میں کتاب وسُنت کی طرف رجوع کرنے کا امر نہ دیا جاتا اور تنازع اور اختلاف کا فیصلہ کتاب و سُنت سے ممکن نہ ہوتا اور امت محمدیہ کا پورا اجماع ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے اور حضور پاک ﷺ

ﷺ کی حیات میں آپ کی ذات بابرکات اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد حضور پاک ﷺ کی سُنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ (اعلام الموقعین ج اول۔ ص ۵۶)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر احادیث اور سنن نبوی متواتر اور احاد علم و یقین کو مفید نہ ہوتے تو احادیث اور سنن کی طرف تنازع اور اختلاف کی صورت میں رجوع کرنے کے امر دینے کی کوئی وجہ نہ ہوتی سعید بن جبیر نے حدیث بیان کی اور اہل کوفہ میں سے کسی صاحب نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس طرح کہا ہے سعید بن جبیرؒ کو غصہ لگا اور فرمایا آپ حضور رسالت مآب ﷺ کی حدیث میں نکتہ چینی کرتے ہو آپ سے بہت زیادہ رسالت مآب ﷺ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جانتے ہیں۔ حدیث کے ساتھ کتاب اللہ کا معارضہ نہیں برداشت کیا گیا ہے تو دوسرے حضرات کی آراء اور اجتہادات کا معارضہ حدیث کے مقابلہ پر برداشت کیا جاسکتا ہے؟۔ ابن خزیمہ کے جواب میں احمد بن نصر نے کہا کہ حضور پاک ﷺ کی حدیث کے ہوتے ہوئے یہ مت کہو کیا اس پر عمل کرو گے بلکہ اس طرح کہو یہ حدیث صحیح ثابت ہے۔ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے آپ چاہیں یا انکار کریں میں اس پر عمل کرونگا۔ (صواعق محرقہ ص ۴۶۸)

غرض یہ ہے کہ حدیث صحیح اصل ہے جب حدیث ثابت ہو جاتی ہے تو وہ خود ایک اصل ہو جاتی ہے اور اس کا اپنانا واجب ہے اور اس سے احتجاج و استدلال کے لیے ضروری نہیں ہے کہ فقہاء کی اجتہادی آراء اور فقہاء کا علم و بصیرۃ اس کی موافقت کرے زمین کی کرایہ پر دینے سے رسول اللہ ﷺ کی نہی قطعی اور یقینی ثابت ہے پھر فقہاء کے علم و بصیرۃ اور تعامل ناس کی موافقت کا انتظار کیوں کیا جائے تعامل کی تائید میں اگر سُنت موجود ہے تو بیشک وہ واجب الاتباع ہے ورنہ نفس تعامل کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں جن بلاد کے تعامل میں سنت کی دلیل ہے تو سُنت کی وجہ سے ان کا عمل متبع ہے اور جب مسلمانوں کے علماء میں اختلاف ہے تو ان میں بعض کا عمل دوسرے بعضوں پر حجت

نہیں ہے درحقیقت اتباعِ سُنت حجت ہے اور سُنت اس لیے ترک نہیں کی جائے گی کہ بعض مسلمان اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں ورنہ سُنت غیر سُنت کی تابع ہو جائے گی اور سنن چھوٹ جائیں گے اور عمل سُنت کے لیے معیار ہو جائے گا اور حقیقت یہ ہے کہ عمل کے لیے معیار سُنت ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲۔ص ۴۳۳)

اگر بعض فقہاء زمین کو کرایہ پر یا اجارہ یا ٹھیکہ پر دینا جائز سمجھتے ہیں تو دوسرے حضرات اس کو منع کرتے ہیں اور ناجائز جانتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک فریق کا قول بھی دوسرے پر حجت نہیں ہے بلکہ حجت یہ ہے کہ سُنت نے زمین کو کرایہ پر دینے کو خواہ مزارعت کی صورت میں ہو یا اجارہ اور ٹھیکہ کی صورت میں منع فرمایا ہے اور یہی اسلام ہے جو کتاب و سُنت میں بیان کرتا اور واضح ہوتا چلا آ رہا ہے۔

تبصرہ

مذکورہ تفصیلات میں قابل غور اُمور یہ ہیں۔

(۱) قرآن شریف نے انسانی معیشت کو زمین میں قائم کیا اور نسل انسانی کے ایک ایک فرد کو زمین سے اپنی معیشت حاصل کرنے کا حق دیا ہے گویا زمین نسل انسانی کے ایک ایک فرد کے معاش کا خزانہ ہے جس سے اپنی معیشت حاصل کرلے اور کسی فرد کو قرآن شریف یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی فرد کو زمین سے معاشی ضروریات کی تکمیل سے روک دے۔

(۲) قرآن شریف نے عشر اور زکوٰۃ دینے پر مسلمانوں کو مامور فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے علاوہ بھی ابناءِ سبیل اہل ضرورت کے لیے دولت مندوں کی دولت میں حقوق رکھے ہیں۔

(۳) قرآن شریف نے احتکار کرنے سے دولت کو اپنے لیے مخصوص کرنے سے روکا اور مختلف اصناف میں دولت کی تقسیم کرنے پر مامور فرمایا ہے اور قانون وراثت کے قیام میں

تقسیم دولت کی ہدایت کی ہے کہ دولت جمع کرنے اور خزانہ بنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ تقسیم کرنے کے لیے ہے۔

(۴) رسالت مآب ﷺ نے ہر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی امداد کرنے پر خصوصاً معاشی ضروریات میں اعانت کرنے پر مامور فرمایا ہے کہ دولت کے فاضل اموال میں اہل حاجت کے حقوق ہیں۔

(۵) رسول اللہ ﷺ نے احتکار و اکتناز کرنے سے منع فرمایا ہے اور فاضل اموال کے خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو اہل ضرورت کو دینے پر مامور فرمایا ہے۔

(۶) مسلمانوں کو سیدھی سادھی ایک راہ روی طرح زندگی بسر کرنے کا حضور پاک ﷺ نے امر دیا اور ملابس (لباس) ماکل (خوراک) مساکن (رہائش) میں تکلفات اور نمائش سے روکا ہے کیا کتاب وسُنت کے ایسے واضح نظریات کے پیش نظر یہ تسلیم کیا جانا مناسب ہے کہ زائد از ضرورت اراضی اپنے لیے مخصوص کیا جائے اور اپنی دولت میں دوسروں کی محنت اور کمائی سے اضافہ کیا جائے اور یہ تسلیم کیا جانا ضروری ہے کہ دولت صرف حاجات اور ضروریات کی تکمیل کے لیے ہے اور فاضل از ضرورت دولت خواہ نقدی یا اراضی ہے دوسرے اہل ضرورت کا حق ہے کہ کسی اجرت اور معاوضے کے بغیر دوسروں کی فاضل اراضی سے معاشی استفادہ کریں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جن حضرات نے کتاب وسُنت کی رہنمائی کا ضروری التزام کیا ہے۔ ایسے حضرات کو یقین ہوگا کہ فاضل از ضرورت اراضی کو ضرورت مند مسلمانوں کو عطیہ میں دینا اور ان کے استفادہ کے لیے اس کو مخصوص کرنا یہ اسلام کا معاشی نظام ہے البتہ اگر عامۃ المسلمین کو اراضی کی شدت ضرورت نہیں ہے اور ارباب اراضی خود کاشت کاری کے لیے فارغ نہیں ہے تو اشتراک وتعاون کے طریقہ باہمی تراضی اور مصالحت سے مزارعت اشتراک وتعاون کی جیسا کہ سلف کے تعامل میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کا معاملہ مزارعت اشتراک وتعاون کی صورت میں تھا اور حال کے زمیندار اور کاشت کار کے معاملہ

مزارعت کی طرح جاگیردارانہ نظام کی طرح ظلم واستبداد کا نمونہ نہیں تھا اور جس طرح کی مزارعت کے جواز کو فقہاء نے تسلیم کیا ہے۔ اس کے جواز میں بھی اہل علم قضاء اور دیانت کا فرق کرتے ہیں۔ دیانت میں باہمی رضامندی اور مصالحت میں اس کو جائز تسلیم کرتے ہیں اور قضاء میں قانون اور عدالت میں اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ
وَسَلَامٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

محمد امین الحق عفی عنہ

. . . .

نوٹ

دنیائے علم کے چمن آرا اور دارالعلوم دیوبند کے آفتاب فضیلت حضرت سید محمد انور شاہؒ کے ”فیض الباری“ سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں قضاء اور دیانت یعنی قانونی ضابطہ اور آپس کی رضامندی دونوں الگ الگ شعبے ہیں۔ قضاء یعنی قانون اور ضابطہ کا حکم اور ہے اور دیانت یعنی آپس کے اتفاق اور رضامندی کا فیصلہ دوسرا ہے۔ قضاء اور دیانت کی اصطلاح فقہاء کے ہاں عام ہے۔ مستعمل ہے اور مختلف معاملات کے متعلق فقہاء نے کہا ہے کہ وہ قضاء یعنی قانون اور ضابطہ میں درست نہیں ہیں مگر دیانت یعنی آپس کے اتفاق اور باہمی رضامندی میں جائز ہیں۔

1۔ ایک قسم وہ معاملات کہ وہ فی نفسہ گناہ ہیں قانونی فیصلہ ہو یا آپس کی رضامندی ہو بہر حال وہ معصیت ہیں مثلاً سود۔

2۔ دوسری قسم وہ معاملات ہیں کہ وہ کسی عارض کی وجہ سے منع ہیں مگر فی نفسہ معصیت نہیں ہیں مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے انتظامی نظریہ میں مزارعت ناجائز ہے مگر مزارعت کی پیداوار باہمی رضامندی میں طرفین یعنی کاشتکار اور مالک زمین کے مابین جائز ہے۔ (فیض الباری ص289 تا295)

مندرجہ بالا اقتباسات مئولف رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب ”زمینداری کا شرعی نظام“ سے نقل کئے گئے ہیں۔